اخباری مسلک کا اجمالی تعارف (۱)

(تاریخ، شخصیات، نظریات)

ملک جرار عباس یزدانی*
Jarrar110@yahoo.com

کلیدی کلمات: اخباری، اخباریت، اہلحدیث، حشویہ، محدث، اجتہاد، عقل استر آبادی، اصولی، مجتہد۔

خلاصہ:

حدیثی مکاتب فکر کے بارے میں تحقیق اور جستجو اور ان مکاتب کے عروج و زوال کے بارے میں جاننا ایک اہم کام ہے، اخبار گرائی یا نص گرائی، قرون اولی میں شیعہ علماء اور محدثین کا اہم مکتب تھا، جسکی تاثیر ہم ان کے حدیثی، کلامی، فقہی اور اخلاقی آثار میں دیکھ سکتے ہیں۔ گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں ایک نیا مکتب وجود میں آیا جسکا یہ دعوی تھا کہ وہ سابقہ علماء اور محدثین کی روش پر عمل پیرا ہے، لیکن اس مکتب کے کچھ خاص نظریات تھے جو اس مکتب کو علماء قدیم کی روش اور مکتب سے جدا کرتے تھے۔

اس فکری مکتب نے کہ جسے آج کل ''اخباریت یا اخباری مسلک'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اپنی مختصر تاریخ میں مختلف نشیب و فراز دیکھے ہیں، اخباری مسلک نے حدیث کے مکتوب آثار پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، اور اسی طرح اصولی مجتہدین اور فقہاء کے لیے رکاٹیں بھی ایجاد کی ہیں، اگرچہ تاریخی اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ اخباری مسلک اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے، لیکن دوسری طرف اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس مکتب کے اصول اور نظریات دوبارہ سر اٹھانا شروع کر دیں۔ اس مقالے میں سعی کی گئی ہے اختصار کے طور پر، اخباری مسلک کی تاریخ، اہم شخصیات اور مہم نظریات کا تعارف کروایا جائے، یہاں اس نکتہ کی جانب توجہ ضروری ہے کہ یہاں ہم صرف تعارف کروائیں اور اس مکتب کا تنقیدی جائزہ ہمارے مد نظر نہیں ہے۔

---

* ۔ ایم۔اے اسلامیات و عربی؛ ایم۔اے تاریخ اسلام؛ ایم۔ فل مذاہب اسلامی؛ ایم فل تاریخ تمدن اسلام، قم المقدسہ، ایران۔

مقدمہ

دسویں صدی ہجری میں ایران کے اندر صفوی خاندان مخصوص دینی نظریات کے ساتھ میدان سیاست میں وارد ہوا، صفوی خاندان کی حکومت کے دوران بالعموم اسلامی معاشرے میں اور بالخصوص شیعہ سوسائٹی کے اندر کچھ خاص تبدیلیاں وجود میں آئیں جو اس سے پہلے شیعہ تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ ابھی اس خاندان کی حکومت کو وجود میں آئے ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ ''علمای امامیہ'' کے درمیان ایک ایسے علماء کا گروہ وجود میں آیا جنہوں نے ''عقل'' کی دینی امور میں دخالت پر اعتراضات اور اشکالات کرنا شروع کر دیئے۔ علماء کے اس گروہ کا نعرہ تھا کہ ''صرف اور صرف اہل بیتؑ کی احادیث سے تمسک کیا جائے اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ لوگ ''اخباری'' کے نام سے معروف ہوئے۔

اخباریت کا پھیلاؤ صرف فقہی مسائل تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اپنے اسلوب سے تمام اسلامی علوم اور دینی معارف کو متاثر کیا، اخباری علماء کے علمی آثار میں تنوع اور کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے فقہ سے ماوراء ہو کر تفسیر، حدیث، کلام کو بھی متاثر کیا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اخباریوں نے سب سے زیادہ جس چیز کو تنقید کا نشانہ بنایا اور جس پر نظریاتی طور پر حملہ کیا وہ شیعہ علمی مدارس اور مراکز (حوزات علمیہ) میں رائج روش اجتہاد تھی، اور اخباریت کے نظریاتی حملوں کی وجہ سے ایک وقت ایسا بھی آیا کہ علماء اجتہاد اور اصولی روش والے علماء کو گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی۔

بہر حال، اخباریوں کے پاس سب سے اہم دلیل شہر قم کا حدیثی مکتب تھا جو کہ تاریخی اعتبار سے ''دورہ حضور'' معصومینؑ کی زندگی سے لیکر شیخ صدوقؒ کے دور تک باقی تھا۔ لہٰذا اخباری علماء نے استنباط احکام کے سلسلے میں علم اصول فقہ سے مدد لینے کو ناجائز اور اہل سنت کی پیروی جانا، ان کی نظر میں فقہی مسائل کا اس اسلوب سے استنباط کرنا فقہاء کی مکتب اہل بیتؑ سے دوری کا نتیجہ تھا، لہٰذا ان کی نظر میں یہ کام اور اجتہاد کی یہ روش حرام تھی۔

اخباری مسلک، ملا محمد امین استر آبادی (متوفی ۱۰۳۲ھ) کی محنت شاقہ سے وجود میں آیا، لیکن اس مسلک کی شہرت کی وجہ سے اس مکتب کو اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ملا محمد امین استر آبادی نے اپنی کتاب ''الفوائد المدنیہ'' سے اخباری مسلک کو اسلامی علوم اور تاریخ تشیع میں ہمیشہ کے لیے امر

کر دیا۔انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیروان اجتہاد (اصولی علماء) کو چیلنج کیا، اور اجتہاد اور تقلید کو ناجائز قرار دیا۔ ملا محمد امین استر آبادی نے ''ادلہ استنباط احکام شرعی'' کو ''قرآن اور سنت'' میں منحصر کر دیا، اور اجماع اور عقل کو دائرہ حجیت سے خارج کر دیا۔استر آبادی کے نزدیک قدیم علماء کی روش بالخصوص آئمہ کی زندگی میں اصحاب اور فقہاء کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مسائل شرعی اور فقہی میں مستقیما روایات کی طرف رجوع کرتے تھے نہ کہ ادلہ اجتھاد کی طرف۔

استر آبادی کی نظر میں لوگوں کو مجتہد اور مقلد میں تقسیم کرنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ غیر معصوم کی تقلید جائز نہیں ہے، لہٰذا تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف معصومینؑ کی تقلید کریں۔ شیعوں میں اجتہادی روش کی تاریخی قدمت کے باوجود، ملا محمد امین استر آبادی اور ان کے ہمنواؤں کے تفکرات نے صفویوں کے دور حکومت میں شیعی حوزات علمیہ میں نفوذ پیدا کرلیا اور بہت سارے علماء اور دانشور اس طرز تفکر سے متاثر ہو کر ان کے حلقہ فکری میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

بعض معاصر محققین کے نظریہ کے مطابق جن لوگوں نے ملا محمد امین استر آبادی کے نظریات کو قبول کیا ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک گروہ معتدل اور دوسرے شدت پسند اور افراطی تھے۔استر آبادی کے شدت پسند پیروکاروں میں سے ''عبد اللہ بن صالح سماہیجی (متوفی ۱۱۳۵ھ) صاحب کتاب ''منیۃ الممارسین'' اور مرزا محمد اخباری (متوفی ۱۲۳۲ ھ) مؤلف کتاب منیۃ المرتاد فی ذکر نفاۃ الاجتھاد'' کا نام سر فہرست ہے۔ دوسری طرف ایسے بہت سارے فقہاء اور محدثین تھے کہ جو مکتب اخباری کے پیروکار ہونے کے باوجود راہ اعتدال پر گامزن تھے، جیسے: محمد تقی مجلسی (متوفی ۱۰۷۲ھ)، ملا خلیل قزوینی (متوفی ۱۰۸۹ھ)، ملا محسن فیض کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ)، شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ)، اور شیخ یوسف بحرانی (متوفی ۱۱۸۶ھ)۔

اخباری مسلک کے مقابلے میں اصولی مکتب تھا، جو کہ اپنی گذشتہ اجتہادی روش پر کاربند تھے اور ان کا جھکاؤ علم اصول فقہ کی طرف باقی تھا۔ ان دونوں مکاتب فکر (اصولی اور اخباری) کے پیروکاروں کے درمیان اس بات پر بہت گہرے اختلاف تھے کہ احادیث معصومینؑ سے کس طرح استفادہ کیا جائے اور ان سے کیسے احکام کو استنباط اور استخراج کی جائے، دونوں کے نزدیک ایک دوسرے کی روش غیر معتبر اور ناپسندیدہ تھی۔ان نظریاتی اختلافات نے گیارھویں صدی ہجری میں اصولیوں اور اخباریوں کو ایک دوسرے کے مد مقابل

لا کھڑا کیا، یہ نظریات اگرچہ علمی اور ثقافتی بنیادوں پر تھے لیکن شیعی معاشرے پر اس نے بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے اور دو صدیوں تک شیعہ سوسائٹی ان اثرات سے سیاسی اور اجتماعی طور پر متاثر رہی۔ بارہویں صدی ہجری میں عراق کے مذہبی شہر خصوصا نجف اور کربلا اخباریوں کے اہم مراکز میں شمار ہوتے تھے اور اس زمانے میں اصولی علماء کا ذکر نہ ہونے کے برابر تھا۔ خصوصا شیخ یوسف بحرانی کے زمانے میں اخباریوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے، اصولی مجتہد گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔
لیکن آہستہ آہستہ تاریخ نے پلٹا کھایا اور آقای وحید بہبہانی (متوفی ۱۲۰۵ھ) نے بڑے زور اور جذبہ سے اخباریت کے خلاف جدو جہد کا آغاز کیا، ان کی کاوشوں سے اخباریوں پر عرصہ حیات تنگ ہونا شروع ہوگیا جبکہ دوسری طرف اصولی مکتب فکر نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کردیا۔ آقای وحید بہبہانی کے بعد شیخ جعفر کاشف الغطا (متوفی ۱۲۲۷ھ) نے اخباریوں سے مقابلہ شروع کیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سیاسی حمایت کی وجہ سے اخباریت کی بساط کو لپیٹنا مشکل ہے تو انہوں نے شاہ ایران فتح علی شاہ قاجار (قاچار) سے درخواست کی کہ وہ اخباریوں کی حمایت سے دستبردار ہوجائے۔ شیخ کاشف الغطا کے بعد شیخ انصاریؒ (متوفی ۱۲۸۱ھ) نے علم اصول فقہ کی ترویج کا بیڑا اٹھایا، انہوں نے جدید روش سے علم اصول کی بنیاد رکھی، جس سے اصولی مکتب فکر کو نجف اور کربلا میں کافی فروغ ملا، اور بالآخر اخوند خراسانی (صاحب کفایۃ الاصول) نے جب تدریس کا آغاز کیا تو اخباری مکتب کا عروج زوال میں تبدیل ہوگیا، موجودہ زمانے میں شاید ہی کوئی عالم موجود ہو جو کہ اخباری ہونے کا دعوی دار ہو۔

اخباری کا لغوی معنی

اخباری ؛یعنی جسکی نسبت اخبار کی طرف ہو،'' یعنی وہ شخص جو حکایات، قصوں، نوادر اور روایات کو نقل کرے'' اصولی مجتہد کے مقابلے میں۔(1) اخباری: ہمزہ مفتوحہ و خای نقطہ دار اور ساکن کے ساتھ ،اخبار کی طرف منسوب ہے ،اخبار خبر کی جمع ہے،اور اخباری اسکو کہتے ہیں جو گذشتہ زمانے کی تاریخ اور واقعات سے آشنا ہو،اخباری کو مؤرخ کا ہم پلہ شمار کیا جاتا ہے۔(2) صاحب المنجد نے ''اخباری کا لغوی معنی،تاریخ کی تدوین کرنے والا مؤرخ ۔کے طور پر ذکر کیا ہے۔(3) جامع فیروز

اللغات اردو میں حروف ''ا۔خ'' کے ذیل میں اس لفظ کا ذکر کیا گیا ہے جسکے معنی ''اخباری'' اخبار سے متعلق یا غیر مقلد فرقہ کے طور پر کیا گیا ہے۔(4)

اخباری کا اصطلاحی معنی اور تعریف

ا۔اخباریت کی متعدد تعریفیں بیان کی گئی ہیں، محقق غلام رضا قمی، نے اپنے استاد جناب شیخ انصاریؒ سے اس مسلک پر اخباری کے عنوان کے اطلاق کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں:

اولا: اخباری حدیث کی تمام اقسام جیسے (صحیح، موثق، حسن اور ضعیف) پر عمل کرتے ہیں، اور ان کے درمیان کسی فرق یا تفاوت کے قائل نہیں ہیں، اسی وجہ سے ان کو اخباری کہا جاتا ہے؛ لیکن مجتہد (اصولی) ان کے بر عکس حدیث کی ان چار قسموں میں تفاوت اور فرق کے قائل ہیں اور فقط بعض اقسام پر ہی عمل کو جائز سمجھتے ہیں۔

ثانیا: دوسری چیز جو اخباریوں کے ممیّزات میں سے ہے وہ یہ کہ وہ استنباط احکام کے لیے ادلہ اربعہ میں، ظواہر قرآن کی حجیت، عقل کی حجیت اور اجماع کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، اخباریوں کے نزدیک احکام کی معتبر اور منحصر دلیل صرف ''اخبار'' یعنی احادیث ہی ہیں اور اسی وجہ سے یہ گروہ ''اخباریہ'' کے نام سے معروف ہیں۔(5)

۲۔ معاصر علماء نے اپنی توصیفی اور دائرۃالمعارفی (انسائیکلوپیڈیا) تحقیقات میں، اخباری مسلک اور مکتب کے لیے اجمالی اور عمومی تعریفیں بیان کیں ہیں، لیکن ان تمام تعریفوں میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے اور کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، لیکن بعض افراد نے اخباریت کے مفہوم کی وضاحت کے لیے ان کی تعریف کے ساتھ ساتھ مکتب اجتہاد کی بھی تعریف کی ہے، مثال کے طور پر یہ کہا گیا ہے کہ: اخباری اس گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جو احادیث اور اخبار (ظاہر نص) کی پیروی کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اجتہادی روشوں اور اصول فقہ کو پسند نہیں کرتے، اخباری عموما احادیث اہل بیتؑ کو اعتقادی اور فقہی مسائل میں ماخذ اور منبع سمجھتے ہیں، اور دوسرے مدارک کی حجیت کو صرف اسی صورت میں مانتے ہیں جب احادیث معصومینؑ میں ان کی تائید یا توثیق موجود ہو۔ اخباریوں کے نزدیک شک کے موارد میں احتیاط پر عمل کرنا واجب ہے۔

اخباریوں کے مقابلے میں اصولی اور اجتہادی مکتب فکر ہے کہ جنکے نزدیک احکام شرعی کے استنباط کے منابع میں کتاب (قرآن)، سنت، اجماع اور عقل شامل ہیں، اصولی اور اجتہادی مکتب فکر شک کے موارد میں اصول عملیہ اربعہ پر عمل کرتے ہیں۔ اصولی مجتہدین کے نظریہ کے مطابق صرف اخبار اور احادیث سے تمام احکام تکلیفی کا استنباط ناممکن ہے، ان کے نزدیک صرف احادیث تمام اعصار میں تمام مسائل کے حل کے لیے کافی نہیں ہیں۔ (6)

۳۔ اخباری شیعہ فقہاء کے ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جو احکام شرعی کے استنباط میں فقط ''کتاب و سنت'' کو معتبر سمجھتے ہیں۔ (7)

خلاصہ کلام یہ کہ اخباری مسلک سے مراد علمای امامیہ کا ایک ایسا گروہ یا فرقہ جو گذشتہ علماء اور اسلاف (محدثین) کی روش پر عمل پیرا ہونے کا دعویدار ہے، اس گروہ کے نزدیک عقاید، احکام، اور اخلاقیات میں مہم ترین منبع اور ماخذ روایات اہل بیتؑ ہیں، اخباری متاخر علماء کی اجتہادی اور رجالی روشوں کو، خصوصا وہ افراد جو عقل کو ہی مہم ترین منبع شمار کرتے ہیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور استنباط احکام میں اصول فقہ کو اصولی علماء کی طرح قابل استفادہ نہیں سمجھتے۔

اخباری مکتب کی پیدائش اور وجود میں آنے کے بارے میں نظریات

اخباری مسلک کی شناخت اور معرفت کے سلسلے میں مہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ آیا اخباریت ایک جدید مکتب ہے جو کہ گیارہویں صدی ہجری میں وجود میں آیا؟ یا یہ کہ اس کا سابقہ اس سے زیادہ طولانی اور قدیمی ہے، اور فقط گیارہویں صدی میں اسکو دوبارہ احیاء کیا گیا؟۔ خود اخباریوں کے دعوؤں کے مطابق یہ مسلک ان کی اختراع نہیں ہے، بلکہ اس کا سابقہ اور قدمت آئمہ معصومینؑ کے زمانے کے ساتھ متصل ہے، لیکن اخباریوں کے مقابلے میں اصولی علماء اس نظریے کے مخالف ہیں، اصولیوں کے نزدیک اخباری مسلک ایک جدید اختراع ہے اور اس کو متاخر علماء وجود میں لائے ہیں۔ اگرچہ اصولی علماء اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ جدید اخباریت، اور قدیم محدثین کے درمیان بعض نظریات میں مشترکات موجود ہیں، ایک گروہ اس نظریے کو قبول کرتا ہے کہ قرون اولی میں بھی اخباری مسلک موجود تھا، لیکن وہ قدیم اور جدید اخباریوں کے درمیان فرق کے قائل ہیں، لیکن بصورت کلی اخباری مسلک کے بارے میں تین نظریات موجود ہیں۔

۱۔ اخباریت، ایک قدیم مکتب:

اخباری، قرون اولی کے اہل حدیث میں پائی جانے والی خصوصیات اور ان کی تعداد کی کثرت سے تمسک کرتے ہوئے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ان کا مسلک زمانہ قدیم کے علماء میں بھی مقبولیت عام رکھتا تھا اور آئمہؑ کی زندگی سے غیبت کبری کے اوائل تک ایک مقبول اور معتبر مکتب تھا۔ لہٰذا اس مسلک کا سابقہ اور قدمت نہ فقط یہ کہ چوتھی صدی ہجری تک ہے بلکہ اس سے پہلے یعنی آئمہؑ کے دورہ حضور میں بھی موجود تھا۔

ملا محمد امین استر آبادی (متوفی ۱۰۳۶ھ) نے اخباری مکتب کو قدیم علماء اور محدثین کی روش کو احیاء کرنے کا نام دیا ہے جیسا کہ وہ یوں رقمطراز ہیں: ۔۔۔۔ (میرے استاد) مرزا محمد استر آبادی۔۔۔ نے اشارہ کیا کہ: ''اخباریوں کی روش اور طریقے کا احیاء کرو، اور اس مسلک پر جو اشکالات اور اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب دو۔۔۔'' (لہٰذا اس وجہ سے)۔۔۔ انتہائی دقت اور توجہ سے میں نے احادیث پر تجدید نظر کی، ۔۔۔۔ اور اسی راستے پر مجھے ''فوائد المدنیہ'' کی تالیف کی توفیق حاصل ہوئی۔ (8)

ملا محمد امین استر آبادی نے اپنی اہم تالیف میں قدیم علماء اور محدثین کو بھی اپنا ہمنوا اور ہم خیال قرار دیا ہے، وہ رقمطراز ہیں کہ:

> علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی (زندہ ۳۰۷ ھ) صاحب تفسیر قمی، محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ ھ) صاحب اصول کافی، علی بن موسی بن بابویہ قمی (متوفی ۳۲۹ ھ) ان کے فرزند برومند محمد بن بابویہ المعروف شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ھ) صاحب من لایحضر الفقیہ، جعفر بن محمد معروف ابن قولویہ (متوفی ۳۶۹ھ) صاحب کامل الزیارات، بلکہ محمد بن حسن شیخ طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) صاحب تہذیب واستبصار، اور اسی طرح وہ افراد جنہوں نے آئمہؑ کے زمانے میں یا اس سے نزدیک زندگی کی ہے یا ان کے اصحاب، یہ سب کے سب قدیم اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (9)

شیخ یوسف بحرانیؒ نے بھی اخباری مسلک کی پیدائش اور بنیاد کی نسبت شیخ صدوقؒ کی طرف دی ہے، اور انہوں نے شیخ صدوقؒ کو ''اخباریوں کے رئیس'' سے تعبیر کیا ہے۔(10) لیکن شیخ حر عاملیؒ (متوفی ۱۱۰۴ھ) صاحب وسائل الشیعہ، ان سب سے چار قدم آگے نظر آتے ہیں جنہوں نے اخباری کی تعبیر کو رسول خداﷺ اور آئمہ معصومینؑ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ (11)

۲۔ اخباریت، جدید مکتب

محدث ملا امین استر آبادی کے نظریے کے مقابلے میں کہ جسکو اوپر بیان جاچکا ہے ایک اور نظریہ بھی موجود ہے، جسکے قائلین میں اکثر و بیشتر اصولی مجتہد ہیں، ان کے نظریے کے مطابق اخباری مسلک کوئی قدیم مکتب فکر نہیں ہے بلکہ ایک جدید طرز فکر ہے، اصولی علماء، قدیم محدثین اور معاصر اخباریوں کے نظریات میں تفاوت کے قائل ہیں، اصولی مجتہدین کی نظر میں گذشتہ علماء اور محدثین کی روش اور نظریات، ہمارے زمانے کے اخباریوں کی طرح نہیں تھے۔ (12) بعض علماء جیسے محقق کاظمی، نہ فقط یہ کہ شیخ طوسی کو اخباری نہیں مانتے، بلکہ دوسرے محدثین جیسے کلینیؒ اور شیخ صدوقؒ کے اخباری ہونے کو بھی شدت سے رد کرتے ہیں۔ (13) استاد شہید مرتضی مطہریؒ بھی اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

اخباریت کی عمر تین یا چار صدیوں سے زیادہ نہیں ہے، اخباریت کا نعرہ سب سے پہلے محمد امین استر آبادی نے لگایا۔ (14)

۳۔ قدیم اور جدید اخباریوں کے درمیان فرق

محمد تقی اصفہانی (متوفی ۱۲۴۸ھ) معالم الاصول کے حاشیہ پر اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں بھی اخباری موجود تھے؛ لیکن وہ اس بات کی توجیہ اور تاویل میں کہتے ہیں کہ: گذشتہ زمانے کے اخباری علماء، ہمارے زمانے کے اخباری علماء کی طرح نہیں تھے، بلکہ ان کا اصولی علماء جیسے ابن ابی عقیل عمانی، ابن جنید اسکافی، شیخ مفید، سید مرتضی، شیخ طوسی، کے ساتھ اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ اصولی علماء جدید فقہی فروعات کو استخراج اور بیان کرتے تھے، ان کے اندر دقت نظر، قواعد کلی کا استنباط، اصول پر فروع کی تفریعات کی صلاحیت موجود تھی۔ لیکن اس زمانے میں علماء کا ایک دوسرا گروہ تھا جو کہ روایات اور احادیث کے راوی اور کتب روایی کے مؤلفین تھے، یہ علماء روایات کے ظاہری مضمون اور نصوص سے زیادہ آگے نہیں جاتے تھے، بلکہ اکثر موارد میں روایات کے مضمون اور اخبار کے متون کے مطابق فتوی دیتے تھے، یہ لوگ غیر منصوص فروعات کو ذکر نہیں کرتے تھے، ان میں سے بہت سارے افراد صاحب نظر نہیں تھے، علمی مسائل میں ان کی دقت اور گہرائی اتنی زیادہ نہیں تھی یہ لوگ ''اخباریوں'' کے نام سے معروف تھے۔ (15)

بعض محققین کے نزدیک ملا محمد امین استر آبادی اور اس کے پیروکاروں سے پہلے، اخباری اور اصولی ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کرتے تھے۔(16) لہٰذا اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اخباری جو اصولی مجتہدین کی بے جا مخالفت اور توہین کرتے تھے؛ان کو کیسے اسلاف کا پیروکار کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ قدیم اور جدید اخباریوں میں تنہا جو چیز مشترک ہے وہ یہ کہ دونوں گروہ روایات پر عمل کرتے تھے؛ لیکن وہ اخباریت ، جو ایک مکتب کی صورت میں اجتہاد اور فقاہت کے سامنے ظاہر ہوئی وہ ایک تو حجیت ظواہر کتاب اور سنت کی نفی کرتے ہیں، اس کے علاوہ اجماع اور عقل کی حجیت کے بھی منکر ہیں، اس کے علاوہ تقلید اور اجتہاد کو بھی حرام سمجھتے ہیں ،اس طرح کی اخباریت کا ملا محمد امین استر آبادی سے پہلے کہیں نام و نشان نہیں ملتا، لہٰذا یہ ایک ایسا مکتب فکر تھا کہ جسکی بنیاد خود محمد امین استر آبادی نے رکھی لیکن پھر اس (کو مشروعیت اور معتبر بنانے) کے لیے گذشتہ علماء کے کھاتے میں ڈال دیا۔(17)

شہید محمد باقر صدرؒ بھی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں علماء کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہ ''متن روایت'' کو کافی سمجھتے تھے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے ،علامہ حلیؒ نے ان کو ''اخباری'' سے تعبیر کیا ہے، اس کے بعد شہید صدر فرماتے ہیں کہ؛اس اخباری مسلک میں جسکی بنیاد مرحوم محمد امین استر آبادی نے ایک فقہی روش کے طور رکھی، اور وہ اخباریت جو کہ فقہ کے تدریجی اور ارتقائی مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے، دونوں میں فرق ہے۔ شیخ طوسی کی کتاب ''المبسوط'' کی تالیف سے پہلے فقہاء متن روایات کو ایک فقہی حکم یا مسئلہ کے طور پر بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے، لہٰذا وہ متن روایات سے خارج نہیں ہوتے تھے، متن کے علاوہ فروعات کو بیان نہیں کرتے تھے، لیکن شیخ طوسیؒ نے اس روش پر المبسوط میں اعتراضات کئے، اور اس سے آگے بڑھے اور روایات کے متن سے ہٹ کر فروعات فقہی کو بیان کیا اور ان فروعات کو قواعد کلی پر تطبیق کیا۔(18)

اخباریوں کی اہم شخصیات

اخباری مسلک ''گیارہویں صدی ہجری'' کی پیدائش سے لیکر آقای وحید بہبہانی کی مرجعیت تک یعنی دوبارہ اصولی مکتب کی نجف اور کربلا میں رونق اور آبادی تک دو صدیاں بیت گئیں، ان دو صدیوں میں اخباری مسلک کی بہت نامور شخصیات ظاہر ہوئیں، جن میں سے بعض نے اخباری مسلک کے مرام اور

راستے اور اسکی نظریاتی سرحدوں کا بھرپور دفاع کیا،ان کی کاشوں اور کوششوں سے اخباری مکتب خوب پھلا پھولا۔ دوسرا اخباری مسلک میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنکوں ''معتدل اخباری'' کے نام سے جانا جاتا ہے، معتدل علماء نے اخباریوں کی تعلیمات کو فقط احادیث کی طرف رجحان اور جھکاؤ کی حد تک ہی قبول کیا،اور اپنے میانہ رو اور معتدل رویے سے اخباری مکتب کی طرف سے اصولی مکتب پر ہونے والے تند و تیز حملات کو روکا اور ان میں کسی حد تک کمی لانے میں کامیاب ہوئے۔

افراطی اور جذباتی اخباریوں نے اصولیوں پر طعن و تشنیع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا،اسی طرح انہوں نے اصولی مکتب فکر کی بنیادوں کو کھوکھلا ثابت کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔اخباری مکتب کے بانی اور مؤسس ملا محمد امین استرآبادی افراطی گریاور شدت پسندی کے سلسلے میں پیش پیش تھے،اس کے علاوہ ملا خلیل قزوینی، عبداللہ بن صالح سماہیجی اور مرزا محمد اخباری بھی اسی راستے پر گامزن رہے۔

یہاں اس نکتے کی جانب توجہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ اگر تمام اخباری علماء اس افراطی اور جذباتی روش پر گامزن رہتے تو اس بات کا امکان تھا کہ یہ مکتب بہت جلد اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے یا وہ برکات اور آثار جن سے آج عالم تشیع بہرہ مند اور مستفید ہو رہا ہے شاید اسطرح شیعی معاشرہ ان برکات سے محروم رہ جاتا۔ اخباری مکتب کے علماء کی جذباتیت اگر جاری رہتی تو بعید نہیں تھا کہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ میں ایک نیا مذہب اور فرقہ وجود میں آجاتا کہ جسکا لازمی نتیجہ پیروان اہل بیتؑ کی مزید کمزوری اور ضعف کی صورت میں برآمد ہوتا۔

لیکن خوش قسمتی سے اخباری مسلک کے بہت سارے علماء اس افراطی اور جذباتی قافلے سے جدا ہوگئے،انہوں نے اعتدال اور میانہ روی کے راستے کو اپنایا، معتدل علماء کا گروہ اگرچہ نظریاتی اور فکری طور پر ان کا ہمنوا تھا، لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنے مخالفین پر لعن طعن اور بدگوئی کو اپنا شیوہ نہیں بنایا،انہوں نے ہمیشہ مخالفین کے علمی اعتراضات کو قبول کیا،اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان بزرگان کے تحمل اور برداشت کے رویے کی وجہ سے اخباری مسلک کو دوام اور استحکام حاصل ہوا، اور انہی کی کاوشوں سے اخباری مسلک ایک جدید فرقے کے طور پر ظاہر ہونے سے بچ گیا۔ معتدل علماء کے گروہ میں سرفہرست جن افراد کے نام آتے ہیں ان میں: محمد تقی مجلسی (مجلسی اول)،علامہ محمد باقر مجلسی (مجلسی دوم)، ملا محسن فیض کاشانی، شیخ حر عاملی، آقا رضی الدین قزوینی، شیخ عبد العلی حویزی، سید ہاشم بحرانی، سید

مرزا جزائری، سید نعمۃ اللہ جزائری اور شیخ یوسف بحرانی، شامل ہیں۔ یہاں ہم، اخباری مکتب کی بعض نامور شخصیات کی حیات زندگی پر مختصر روشنی ڈالیں گے، اور ساتھ ہی اجمالا ان کے اخباری نظریات کو بھی بیان کریں گے تاکہ ان کی شدت پسندی اور اعتدال پسندی واضح ہوسکے۔

۱۔ مرزا محمد استر آبادی

مرزا محمد بن ابراہیم استر آبادی المعروف بہ صاحب رجال، فقیہ، محدث اور علم رجال کے معروف عالم تھے، ان کے معاصر عالم تفریشی (۱۰۱۵ ھ) کے بقول مرزا محمد استر آبادی علم رجال، روایات اور علم تفسیر میں ید طولی رکھتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے نجف میں مقدس اردبیلیؒ اور ظہیر الدین میسی (متوفی ۱۰۳۲ ھ) جیسے نامور علماء کی شاگردی اختیار کی، لیکن مقدس اردبیلی کی وفات کے بعد انہوں نے مکہ معظّمہ میں سکونت اختیار کی، اور وہاں ہی قبرستان معلیٰ میں جناب خدیجہ کبریٰؑ کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔ علامہ مجلسیؒ نے ان کا شمار ان افراد میں کیا ہے جنکو امام زمانہؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کے معروف شاگردوں میں، ان کے داماد محمد امین استر آبادی، کے علاوہ محمد بن حسن فرزند شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ ھ) جنہوں نے اپنے والد اور صاحب مدارک (متوفی ۱۰۰۹ ھ) کی شاگردی کے بعد ہمیشہ کے لیے مکہ کو اپنا مسکن بنالیا، محمد بن حسن، مرزا محمد کے حلقہ درس سے فیضیاب ہونے کے بعد اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ ان کے راستے کے راہی ہیں۔ (19)

علامہ مجلسیؒ نے ان کی کتابوں کو انتہائی سنجیدہ، سچی اور درست کتابوں میں شمار کیا ہے، ان کی بعض کتابوں میں سے: آیات الاحکام، (شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب الاحکام پر حاشیہ)؛ علم رجال پر تین کتابیں جنکے نام توضیح المقال، تلخیص الاقوال، اور نہج المقال، ، یہ تینوں کتابیں صغیر، وسیط اور کبیر کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کتاب رجال کبیر تین جلدوں میں چھپ چکی ہے، اور ہمیشہ علماء کی توجہات کا مرکز رہی ہے اور اس پر بہت سارے علماء نے تبصرے اور حواشی لگائے ہیں۔

۲۔ محمد امین استر آبادی (متوفی ۱۰۳۶ ھ)

ملا محمد امین استر آبادی نے علم اصول کو سید محمد عاملی صاحب مدارک، اور صاحب معالم جیسے بزرگ عالموں سے پڑھا، اور اپنے زمانے کے معروف اصولیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا؛ جیسا کہ صاحب مدارک

نے ان کو ایک اجازہ میں جو سن ۷ ۱۰۰ھ میں ان کو دیا اسمیں ان کو ''صاحب علم و فضل اور صاحب کمالات اخلاقی'' سے یاد کیا ہے۔(20) لیکن استر آبادی خود اس سلسلے میں بیان فرماتے ہیں کہ: میں جوانی کے آغاز میں، نجف اشرف میں سید سند، اور علامہ اوحد صاحب مدارک کے دروس میں شریک ہوتا تھا، اور علم رجال اور حدیث میں ان سے کسب فیض کیا ہے۔۔۔۔ اور میں ان سے اجازہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، (الفوائد المدنیہ، ص۱۷) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازہ سے مراد اجازہ اجتہاد نہیں بلکہ اجازہ نقل روایت ہے، اور اس دعوی پر دلیل خود استر آبادی کا وہ کلام ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ؛ میرے طرق روائی میں ایک سلسلہ روایت میرے استاد صاحب مدارک ہیں۔(21)

لیکن مکہ کی طرف سفر کرنے کے بعد اور تقریبا دس سال تک مرزا محمد استر آبادی کی شاگردی اختیار کرنے سے، نظریاتی طور پر وہ اپنے استاد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے مجتہدین (اصولیوں) کی مخالفت شروع کردی، اور اس سلسلے میں بہت ساری کتب تحریر کیں۔(22)

ملا محمد امین استر آبادی کی قبر، مکہ مکرمہ میں قبرستان ابوطالبؑ میں اپنے استاد مرزا محمد استر آبادی کے جوار میں واقع ہے۔ محمد امین استر آبادی نے مختلف علوم و فنون میں میں متعدد کتب تالیف کی ہیں جن میں سے مہم ترین درج ذیل ہیں: الفوائد المدنیہ فی الرد علی من قال بالاجتہاد والتقلید فی نفس الاحکام الالھیۃ، یہ کتاب چونکہ مدینہ میں لکھی گئی لہذا اس کا نام اسطرح رکھا گیا، یہ کتاب اخباری مسلک کے دفاع میں لکھی گئی مہم ترین کتب میں سے ہے، اس مقالے میں بھی مختلف مناسبتوں سے ہم نے بعض مطالب کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کے عقیدے کے مطابق، کتب اربعہ کی روایات اجمالا متواتر ہیں، اگر ظواہر قرآن کے بارے میں آئمہ معصومینؑ سے کوئی چیز ہم تک نہ پہنچی ہو تو ہمیں توقف کرنا چاہیے، اجماع اہل سنت کی اختراعات میں سے ہے، اجتہاد دین میں بدعت کے مترادف ہے؛ اصول اور فروع میں دین کا تنہا منبع اور ماخذ اخبار اور روایات اہل بیتؑ ہیں۔(23)

مذکورہ بالا کتاب نے اس زمانے میں غوغا برپا کردیا اور اپنے اختلافی نظریات کی وجہ سے بہت معروف ہوئی، بہت سارے علماء نے اس کتاب پر رد لکھے جن میں سے ایک کتاب نور الدین علی بن حسین (متوفی ۱۰۶۳ یا ۱۰۶۸ ھ) صاحب مدارک کے بھائی، نے لکھی جس کا نام ''الشواھد المکیہ فی مداحض

حجج الخیالات المدنیۃ (معروف بہ فوائد مکیہ)؛علامہ دلدار علی (۱۲۳۵ ھ) بر صغیر کے معروف عالم دین نے ایک کتاب بنام ''اساس الاصول'' (بتاریخ ۱۲۱۴ ھ) اس کتاب کے رد میں لکھی۔ (24)

۲۔الفوائد المکیہ، شرح استبصار؛

۳۔اصول کافی پر حاشیہ؛ جسکی تدوین ملا خلیل قزوینی نے کی (متوفی ۱۰۸۹ھ)

۴۔ دانش نامہ شاہی؛ یہ کتاب ایک طرح سے کشکول ہے، یہ کتاب سلطان محمد قطب شاہی کو تقدیم کی گئی،اس کتاب میں اجتہاد پر شدید تنقید کی گئی اور اسکو جدید اختراع قرار دیا گیا۔

۳۔ محمد تقی مجلسی (۱۰۰۳۔۱۰۷۰ ھ)

ملا محمد تقی مجلسی ابن مقصود علی اصفہانی، المعروف ''مجلسی اول'' آپ کی ولادت ایران کے معروف شہر اصفہان میں ہوئی، اور وہاں ہی آپ کی وفات واقع ہوئی، آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اصفہان میں ملا عبد اللہ شوشتری (متوفی ۱۰۲۱ ھ) اور شیخ بہائی (متوفی ۱۰۳۰ ھ) سے حاصل کی، اور اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے نجف اشرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ کا شمار اس زمانے کے بڑے علماء اور محدثین میں ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ تہذیب نفس اور ریاضت کیا کرتے تھے، اور تقریبا چالیس دفعہ پیدل خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ (25)

ان کی بعض ریاضتیں اس بات کا باعث بنیں کہ ان پر بعض لوگوں نے تصوف اور صوفیت کی تہمت بھی لگائی، لیکن ان کے علمی آثار اور دیگر معاصر علماء کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوفی نہیں تھے، بلکہ ان کے اپنے فرزند ارجمند مجلسی دوم کے بقول انہوں نے صوفیوں کے عقائد کی تصحیح اور درستی کے لیے اپنے آپ کو صوفیوں کے قریب اور نزدیک کیا ہوا تھا۔

مجلسی اول، ان سر فہرست افراد میں سے ہیں جنہوں نے اخباریت کی طرف رجحان پیدا کیا، اور حدیث کی ترویج میں سعی و کوشش کی۔ لیکن ان کا شمار معتدل اخباریوں میں ہوتا ہے، ان کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگرچہ انہوں نے محمد امین استر آبادی کے نظریات اور عقائد کی صریحا تائید کی، لیکن دوسری طرف ان کے بعض نظریات پر تنقید بھی کی۔ مثال کے طور پر وہ محمد امین استر آبادی کے نظریہ کے خلاف ''خبر واحد صحیح جو بغیر قرینے کے نقل ہوئی ہو'' اس کو حجت مانتے تھے، مگر وہ کہ جو ظاہر قرآن یا

سنت متواترہ کے مخالف ہو اسکو حجت نہیں مانتے تھے۔ مجلسی اول، شیخ صدوقؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ پر اپنی فارسی کی شرح میں اخباریت کی پیدائش کے علل و عوامل کو ذکر کرنے کے بعد محمد امین استر آبادی کی اخباریت سے متعلق کاوشوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بہت ساری ایسی باتیں جو یہاں پر قابل ذکر نہیں ہیں،[وہ یہ ہیں کہ] شیعوں کے درمیان اختلافات شروع ہوگئے،اور ہر کوئی قرآن اور حدیث سے اپنے فہم اور ادارک کے مطابق عمل کرنے لگا، مقلدین نے ان کی (مجتہدین) کی اتباع اور تقلید شروع کر دی۔ یہاں تک کہ تقریباً تیس سال پہلے عالم ،فاضل اور متبحر مولانا محمد امین استر آبادیؒ نے اس روش کے خلاف مقابلہ اور جہاد شروع کیا،انہوں نے روایات معصومینؑ کا مطالعہ کیااور لوگوں کے آراء اور قیاسات کی مذمت کی اور آئمہ معصومینؑ کے اصحاب کی روش اور طریقہ کار کو درست تسلیم کیا۔''فوائد مدنیہ'' کو تحریر کیااور اسکو ان شہروں میں ارسال کیا، نجف اور دوسرے شہروں میں بسنے والے شیعوں نے ان کے اس اقدام اور عمل کو مستحسن سمجھا،اور لوگوں نے اخبار کی طرف رجوع شروع کر دیا،اور ''الحق'' اکثر وہ باتیں جو مولانا محمد امین استر آبادی نے بیان کیں ہیں وہ صحیح اور برحق ہیں۔

اس کے بعد وہ اپنے اعتدالی نظریے ''جو نہ افراطی ہے اور نہ تفریطی بلکہ حد وسط '' کو بیان کرتے ہیں اور ایک اجمالی وضاحت میں تقلید کو قبول کرتے ہیں؛لیکن ایک شرط بھی لگاتے ہیں کہ جس عالم کی تقلید کی جائے ضروری ہے کہ ''وہ عالم روایات اہل بیتؑ کا متخصص اور ماہر ہو اور ان کے رموز واسرار سے واقف ہو، نیز اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہو کہ مختلف روایات کو جمع کر سکے، اس کے علاوہ عادل اور تارک دنیا بھی ہو'' علامہ مجلسی اول کی نظر میں ایسے عالم کی بات کی پیروی اور اس پر عمل حقیقت میں قول خدا، قول رسول ﷺ اور قول معصومینؑ کی ہی پیروی ہے۔"(26)

محمد تقی مجلسی کے شاگردوں میں ان کے فرزند علامہ محمد باقر مجلسیؒ،آقا جمال خوانساری،آقا حسین خوانساری، محمد صادق کرباسی، سید عبدالحسین خاتون آبادی، سید نعمۃ اللہ جزائری جیسی اہم شخصیات شامل ہیں۔(27) علامہ مجلسی اول نے متعدد کتب تحریر کیں ہیں جن میں سے کچھ اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ روضۃ المتقین: من لایحضر الفقیہ پر عربی شرح،اور اس کتاب پر لکھی جانے شروحات میں سے یہ شرح سب سے اہم ہے اور اب یہ تقریباً چودہ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔(28)

۲۔ لوامع قدسیہ یا لوامع صاحبقرانی: من لایحضر الفقیہ پر لکھی جانے والی فارسی شرح، یہ شرح شاہ عباس صفوی ثانی کی خواہش پر لکھی گئی اور کیونکہ شاہ عباس کا لقب ''صاحبقران'' تھا لہٰذا اس شرح کا نام لوامع صاحبقرانی رکھا گیا۔(29)

۳۔ حدیقۃ المتقین: یہ فارسی زبان میں ان کا ایک رسالہ ہے جسے اپنے مقلدین کے لیے تحریر کیا تھا۔

۴۔ شرح زیارت جامعہ کبیرہ: یہ شرح فارسی زبان میں لکھی گئی،اس شرح کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجلسی اول کو امام زمانہؑ کی بارگاہ میں عالم خواب یا حالت بیداری میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔(30)

۴۔ملا خلیل قزوینی (۱۰۰۱۔۱۰۸۹ھ)

ملا خلیل قزوینی فرزند غازی قزوینی، کنیت ابو حامد، گیارہویں صدی ہجری کے بڑے محدثین اور اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ قزوین میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، قزوینی صفوی بادشاہوں، امراء اور ان کے وزیروں کے نزدیک بہت اہم مقام رکھتے تھے۔ اسی احترام کی بدولت ان کو تقریباً ۲۶ سال کی عمر میں شاہ عبدالعظیم حسنی کے مزار کا متولی بنادیا گیا، اگرچہ کچھ عرصے بعد کچھ وجوہات کی بنا پر اس منصب سے عزل کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ مکہ میں گزارا اور پھر قزوین لوٹ آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔(31)

ملا خلیل قزوینی کے اندر افراطی اور شدت پسند اخباریوں کی تمام صفات موجود تھیں، قزوینی شدت سے اجتہاد کے منکر تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اصول کافی کی تمام احادیث صحیح ہیں اور ان پر عمل کرنا واجب ہے؛ قزوینی کی نظر میں کافی میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو تقیہ کی حالت میں صادر ہوئی ہو، اور اس کے علاوہ امام زمانہؑ نے اصول کافی کی تمام روایات کو چیک کیا ہے اور امام نے "انہ کاف لشیعتنا" کی تعبیر سے اس کی تعریف اور تائید کی ہے۔ اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اصول کافی میں نقل

شدہ تمام روایات جو ''روی'' کے ذریعے بغیر واسطے کے نقل ہوئی ہیں وہ سب کی سب خود امام زمانؑ سے نقل ہوئی ہیں۔(32)

ملا خلیل قزوینی نے عمر کے آخری حصے میں بھی، یہاں تک کہ جب ان کی آنکھیں دیکھنے سے محروم ہو گئیں تب بھی تدریس، تحقیق اور تالیف کا کام جاری رکھا، لہٰذا انہوں نے اپنے بعد کافی سارے شاگرد اور آثار کو چھوڑا، ان کی معروف ترین تالیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ **الشافی فی شرح الکافی:** اصول کافی پر عربی زبان میں شرح ہے، لیکن فارسی شرح میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ شرح پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔

۲۔ **صافی در شرح کافی:** اصولی کافی پر فارسی زبان میں شرح ہے، یہ شرح انہوں نے قزوین میں شاہ عباس ثانی صفوی کے حکم پر لکھی اور تقریبا بیس سال میں اس کو مکمل کیا۔

۳۔ **شیخ طوسی کی کتاب ''عدۃ الاصول'' پر ناتمام حاشیہ:** ملا خلیل کے بقول اس کتاب کو انہوں نے لوگوں کو علم اصول سے متعارف کروانے کے لیے لکھا، کیوں کہ جب انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ ان چیزوں سے منہ موڑ رہے ہیں تو اسکو تحریر کیا، اور اس کے علاوہ لوگ اہل سنت کی اصول فقہ کی طرف مائل ہو رہے تھے، اس طرح کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا خلیل بعض جہات سے علم اصول کو بھی قبول کرتے تھے۔(33)

۵۔ شیخ عبد علی حویزی (متوفی ۱۰۹۷ ھ سے پہلے)

شیخ عبد علی بن جمعہ عروسی حویزی، حویزہ میں پیدا ہوئے اور شیراز میں سکونت اختیار کی، شیخ حر عاملی ''امل الآمل کی تالیف سال ۱۰۹۷ ھ ق) میں ان کے حالات زندگی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ''کان عالما فاضلا فقیہا۔۔'' فعل ماضی کے استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں جب یہ کتاب تحریر کی جارہی تھی وہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔ اس بنا پر سید ہاشم محلاتی نے تفسیر نور الثقلین کے حاشیہ میں جو ان کی تاریخ وفات کو سال ۱۱۱۲ ھ میں بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔(34)

حویزی ایک محدث، مفسر، اور شاعر ہونے کے علاوہ، گیارہویں صدی کے اخباری مسلک کے بہت بڑے اور شدت پسند علماء میں شمار ہوتے ہیں۔(35)

بعض علماء کے بقول ہر وہ مسئلہ جسکو اصحاب نے اپنی فقہی کتب میں ''قیل'' مجہول کے صیغہ سے درج کیا ہے حویزی اس پر عمل کرتے تھے اور اس بارے میں ان کا کہنا تھا کہ ؛ قیل سے اصحاب کی مراد امام زمانہؑ ہیں، امام زمانہؑ نے اس قول کو شیعوں میں پھیلایا اور پھر خود ہی اس پر ابہام اور مجہولیت کا پردہ ڈال دیا تاکہ شیعہ کسی خطا اور غلطی پر اجماع نہ کریں۔(36)

حویزی کے معروف ترین شاگردوں میں سید نعمت اللہ جزائری (متوفی ۱۱۱۲ھ) ہیں، سید شیراز میں ہی تھے، حویزی کی معروف ترین تالیفات میں ان کی روائی تفسیر ''نور الثقلین'' ہے ،جو کہ گذشتہ چند سالوں میں پانچ جلدوں میں چھپ کر منصہ شہود پر آچکی ہے۔ حویزی نے اس تفسیر میں قرآن مجید کو فقط روایات اہل بیتؑ کی روشنی میں تفسیر کیا ہے، اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت بھی نقل نہیں کی، انہوں نے اس تفسیر میں الفاظ، اعراب اور آیات کی قرائت کے حوالے سے بھی کچھ بیان نہیں کیا۔(37)

علامہ طباطبائی نے اس تفسیر کو باارزش تفاسیر میں شمار کیا ہے، اور علامہ کے بقول اس تفسیر کے مؤلف نے تفسیری روایات کی جمع آوری میں دقت ،ترتیب اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔(38)

۶۔ملا محسن فیض کاشانی (۱۰۰۷۔۱۰۹۱ھ)

محمد بن شاہ بن مرتضی فرزند شاہ محمود، المعروف ملا محسن فیض کاشانی، بہت بڑے مفسر اور محدث اور زبردست قسم کے شاعر تھے۔ آپ کاشان میں پیدا ہوئے اور قم المقدسہ میں پروان چڑھے۔اور بالآخر کاشان میں ہی آپ کی رحلت ہوئی ،کاشان میں آپ کا مزار مرجع خلائق خاص و عام ہے۔فیض کاشانی کو جوانی سے ہی علم دین حاصل کرنے کا شوق تھا، لہٰذا آپ شیراز کی طرف عازم سفر ہوئے اور وہاں جا کر علوم شرعی اور علم حدیث کو سید ماجد بحرانی (متوفی ۱۰۲۸ھ) سے کسب کیا، اور علوم عقلی کو ملا صدرای شیرازی سے حاصل کیا، اور ان کی دامادی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا، شیخ بہائی بھی ان کے معروف ترین اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔(39)

علامہ طباطبائی صاحب تفسیر المیزان، فیض کاشانی کو جامع علوم اور کم نظیر شخصیت سمجھتے ہیں، جنہوں نے تمام علوم میں مستقل بنیادوں پر قدم رکھا، لہٰذا علمی تبحر کی وجہ سے ان کو ایک دوسرے سے خلط نہ ہونے دیا۔(40) بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ علم کلام میں فیض کاشانی کی آراء اور نظریات ان

کے استاد ملا صدرای شیرازی کے نظریات کے موافق ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اخباری ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلے میں خدا کے شکر گزار ہیں۔ لہٰذا وہ ملا محمد امین استر آبادی کو برحق سمجھتے ہیں، لیکن ان کی شدت پر تنقید بھی کرتے ہیں، کاشانی اپنی کتاب ''الحق المبین'' میں کہتے ہیں کہ؛

وہ راستہ اور طریقہ جس پر میں نے ہدایت حاصل کی ہے۔۔۔ وہ یہ ہے کہ؛اخبار اور روایات پر عمل کیا جائے، اجتہادی طریقے سے دوری اختیار کی جائے، اصول فقہ جو کہ اختراع شدہ ہے اس کو چھوڑنا واجب ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم وہ[محمد امین استر آبادی] اس راستے اور مسلک میں حق پر ہیں، وہ فاتح اور ہمارے رہنما ہیں۔ لیکن انہوں نے بعض روایات میں غلو اور افراط سے کام لیا اور کہا کہ ؛ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات اہل بیتؑ سے صادر ہوئی ہیں، اس کے علاوہ استر آبادی نے فقہاء کے لیے غلط زبان استعمال کی ہے، اور دین میں فساد اور افساد کی نسبت فقہاء کی طرف دی ہے، نیز اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر مجتہدین اپنے اجتہاد میں خطا کے مرتکب ہونگے تو ان کو سزا دی جائے گی۔(41)

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے مرزا محمد امین استر آبادی پر فقہاء کو برا بھلا کہنے پر تنقید کی ہے، لیکن بعد میں خود اس کا ارتکاب کیا ہے، جیسا کہ ان سے نقل ہوا ہے کہ ''اہل اجتہاد کے لیے نجات نہیں ہے، اگرچہ وہ ہمارے گروہ کے بزرگ علماء میں ہی کیوں نہ شمار ہوتے ہوں۔(42)

شاید اسی وجہ سے شیخ یوسف بحرانی نے ان کا شمار شدت پسند اور افراطی اخباریوں میں کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں مجتہدین کے خلاف غیر شایستہ زبان استعمال کی ہے، اور یہاں تک کہ بعض کی طرف کفر و فسق کی نسبت بھی دی ہے، اور اس کام میں افراط سے کام لیا ہے۔(43)

لیکن بہر حال مقام عمل اور علمی مباحث میں اس طرح کی شدت پسندی ان کے نظریات اور افکار میں نظر نہیں آتی، شاید یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ شدت پسندیاں ان کے قلم میں زیادہ تھی۔ فیض کاشانی نے سب سے زیادہ حساسیت کا مظاہرہ فقہ کی نسبت کیا ہے، وگرنہ دوسری مباحث جیسے تفسیر آیات قرآن میں انہوں نے عقلی استنتاج سے بھی کام لیا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ وہ دوسرے اخباریوں کی طرح قرآن کو قابل استفادہ نہ سمجھتے ہوں، بلکہ وہ قرآن کے ظواہر سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض علماء معاصر نے ان کو علمی روش میں معتدل اخباریوں میں شمار کیا ہے۔(44)

فیض کاشانی کے بارے میں بیان کردہ مباحث میں ان کو صوفیانہ رجحانات سے بھی متہم کیا گیا ہے کہ ان کے اندر صوفیاء کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ہے، لیکن شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ''فوائد الرضویہ ص ۶۳۷'' میں اس بات کی تردید کی ہے۔

بہت سارے افراد نے ملا محسن فیض کاشانی سے کسب فیض حاصل کیا، جن میں سے مہم ترین علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ ھ) اور سید نعمت اللہ جزائری (متوفی ۱۱۱۲ ھ) ہیں۔ اس کے علاوہ ملا محسن نے مختلف علوم میں بہت ساری کتب تالیف کی ہیں، جیسا کہ انہوں نے خود ایک کتاب بنام، فہرست تصانیف الفیض، میں تقریباً سو کے قریب کتب، اور ان کے شاگرد سید نعمت اللہ جزائری نے دو سو کے قریب کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مہم ترین آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ الوافی: اسمیں کتب اربعہ کی روایات شامل ہیں، انہوں نے اس کتاب میں ان کو مرتب اور ان کا خلاصہ کیا ہے، ان کی مشکلات کو بیان، اور متشابہات کو حل کیا ہے، اور احادیث میں درج روایات کی تفسیر بیان کی ہے۔ ملا محسن فیض کاشانی کی شاید یہ مہم ترین کتاب تقریباً ۲۶ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

۲۔ مفاتیح الشرائع: یہ چار جلدوں پر مشتمل کتاب ہے، اس کے مقدمہ میں انہوں نے اجماع کی حجیت کا انکار کیا ہے، علم اصول کو بدعت کہا ہے، اس کتاب میں اپنے علمی نظریات کی بنیادوں کو، محکمات قرآن، رسول خدا ﷺ اور اہل بیتؑ کے کلام پر مشتمل بیان کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظواہر قرآن کو حجت سمجھتے ہیں۔

۳۔ الاصول الاصلیہ: یہ کتاب قرآن اور سنت کی روشنی میں اخباری مسلک کی حمایت اور تائید میں لکھی گئی ہے۔

۴۔ سفینۃ النجاۃ الی طریق و سبیل الہداۃ: اس کتاب میں احکام شرعیہ میں اجتہاد کو باطل ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ اجماع اور اتفاق آراء کو بدعت اور اہل سنت کی ایجادات اور اختراعات میں شمار کیا گیا ہے۔

۵۔ علم الیقین: یہ کتاب اصول دین اور عقائد کے موضوع پر، کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

۶۔ **محجۃ البیضاء فی احیاء "الاحیاء"**: اس کتاب میں امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کی تہذیب اور اس کے زوائد کو حذف کیا گیا، اور بعض مطالب کا شیعہ منابع سے اضافہ کیا گیا۔
۷۔ تفسیر صافی: یہ قرآن کی تفسیر ہے جسمیں آیات کی روایات کی روشنی میں تفسیر کی گئی ہے۔
اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سارے آثار اور تالیفات ہیں جنکے ذکر سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

۷۔ شیخ حر عاملی (۱۰۳۳۔۱۱۰۴ھ)

محمد بن حسن بن علی بن محمد بن حسین بن حر عاملی، گیارھویں صدی ھری کے بزرگ اخباری عالم ہیں۔آپ ایک ثقہ محدث اور اسلامی علوم میں تبحر رکھنے والی شخصیت تھے، جنکی علمی جامعیت اور عظمت پر ان کے آثار گواہ ہیں۔آپ سال ۱۰۳۳ ھ، میں لبنان کے علاقے جبل عامل کے مشغرہ نامی دیہات میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۰۴ ھ میں مشہد مقدس میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان کا مزار حرم امام رضاؑ میں مرجع خلائق ہے۔آپ کا تعلق شہید کربلا جناب حر بن یزید ریاحی کے خاندان سے ہے۔ شیخ حر تقریبا چالیس سال تک اپنے وطن میں زندگی بسر کرتے رہے،اور سال ۱۰۷۳ ھ میں عراق کی جناب سفر کیا،اور آئمہؑ عراق کی زیارت کے بعد امام رضاؑ کی زیارت کے لیے خراسان (موجودہ مشہد) کا سفر کیا،اور خراسان پہنچ کر یہیں پر سکونت اختیار کرلی۔(45)

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں پائی جاتی کہ شیخ حر کا شمار اخباری مسلک کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے،اور وہ اس بارے میں بڑے واضح نظریات رکھتے تھے؛ جیساکے ایک نقل کے مطابق،انہوں نے ایک ایسے طالبعلم کی شہادت کو رد کردیا جو کہ شیخ بہائی کی کتاب "زبدۃ" پڑھتا تھا، زبدہ علم اصول کی کتاب تھی اور علم اصول پڑھنے کی وجہ سے اسکی شہادت کو رد کردیا۔(46)

اسی طرح شیخ اس زمانے کے طالبعلموں کے لیے انتخاب شدہ راستے کی وجہ سے شکوہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

> شک اور وسوسہ بہت سارے لوگوں پر غالب آچکا ہے، انہوں نے اہل بیتؑ سے ہٹ کر دوسرے علوم میں سعی و کوشش شروع کردی ہے، جبکہ علوم اہل بیت ہر قسم کی لغزش اور عیب سے پاک اور منزہ ہیں۔(47)

شیخ حر نے بہت سارے علماء اور اساتذہ سے کسب فیض اور اجازہ روایت حاصل کیا،اور اسی طرح بہت سارے شاگردوں کی تربیت بھی کی،اور ان کو اجازہ روایت بھی دیا۔البتہ ان کی ایک خاص خصوصیت جس نے ان کو اپنے زمانے کے دوسرے علماء سے ممتاز کر دیا ہے،وہ احیاء علوم اہل بیتؑ ہے انہوں نے اس راستے میں بہت زیادہ زحمات کیں جسکے نتیجے میں بہت ہی عظیم اور پر منفعت کتابیں معرض وجود میں آئیں،امل الآمل کے مصحح نے شیخ حر کے آثار کی تعداد ۵۵ تک نقل کی ہے۔یہاں ہم اختصار کے ساتھ ان کی بعض اہم کتابوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ **تفصیل وسائل الشیعۃ الی تحصیل مسائل الشریعۃ:** المعروف بہ وسائل، شیخ حر نے یہ عظیم کتاب بیس سال کے عرصے میں تالیف کی،وسائل ایک انتہائی اہم کتاب ہے جو کہ ۳۵۸۶۸ فقہی احادیث پر مشتمل ہے،یہ کتاب موجودہ زمانے میں تمام فقہاء کے لیے فقہ کا اہم ترین مصدر اور منبع ہے،اور کوئی فقیہ اس کتاب کی طرف رجوع سے بے نیاز نہیں ہے،یہ کتاب شیعوں کے نزدیک کتب اربعہ کی طرح معتبر تصور کی جاتی ہے۔یہ کتاب تقریبا تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

شیخ حر نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ گذشتہ علماء اور محدثین کی طرح ،حکم شرعی کو عین الفاظ حدیث کی صورت میں بیان کیا جائے ،انہوں نے اپنی رائے کو ہر باب کے نام کے عنوان سے انتخاب کیا ہے۔یہ عناوین خصوصا اٹھارہویں جلد میں اخباری مسلک کے ذوق کے ساتھ بہت زیادہ سازگار ہیں،جیسا کے بیان کرتے ہیں کہ؛جب تک فقیہ کو حکم شرعی کا یقین حاصل نہ ہو جائے اس کے لیے فتوا دینا جائز نہیں ہے۔لہذا ضروری ہے کہ فقیہ اس سلسلے میں توقف اور احتیاط کرے،غیر معصوم کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے،مگر اس جگہ پر کہ جہاں حکم کا مدرک، معصومؑ سے صادر شدہ نص ہو۔ظواہر آیات قرآن،اہل بیت کی تفسیر کے بغیر حجیت سے ساقط ہیں، وہ روایات جو پیامبر اکرم ﷺ سے ہم تک پہنچی ہیں اگر آئمہ معصومینؑ سے تائید شدہ نہ ہوں تو وہ استنباط احکام کا منبع قرار نہیں پا سکتیں۔اسی طرح شیخ حر کتب اربعہ اور ان کے علاوہ دوسری ۸۲ کتابوں کی روایات کو متواتر مانتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ ان کی صحت پر قرائن موجود ہیں اور ان کتب میں اسناد کا ذکر بھی تبرک اور تیمن کے طور پر کیا گیا ہے۔(48)

۲۔ **اثبات الھداۃ بالنصوص والمعجزات**: یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور چہاردہ معصومینؑ کے فضائل اس میں بیان کئے گئے ہیں۔اس کتاب کی پہلی جلد میں شیخ نے علم کلام کی ان ادلہ کو جو اہل بیتؑ کی جانب سے تائید شدہ نہیں ہیں ان کو ناجائز قرار دیا ہے۔(49)

۳۔ **الجواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ**: یہ کتاب شیخ حر عاملی کی پہلی تالیف ہے،اور وہ پہلی کتاب ہے کہ جس میں احادیث قدسیہ کو جمع کیا گیا ہے، شیخ نے اس کتاب کو ''برادر قرآن'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

۴۔ **امل الآمل**: یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور متاخر شیعہ علماء بالخصوص علماء جبل عامل کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ شیخ حر نے اس کتاب کو مرزا محمد استر آبادی کی کتاب ''منہج المقال'' کا تتمہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں علماء متقدمین کے حالات زندگی قلمبند کئے گئے ہیں۔

۵۔ **الفوائد الطوسیہ**: اس کتاب میں سو کے قریب مختلف موضوعات پر مطالب ذکر کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ اخباری مسلک کے اہم نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔

۸۔علامہ مجلسی دوم (متوفی ۱۱۱۰ ھ)

محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی،المعروف بہ مجلسی،آپ ۱۰۳۷ میں اصفہان میں پیدا ہوئے،اصفہان میں ہی پرورش پائی وہیں بزرگ ہوئے اور ۱۱۱۰ یا ۱۱۱۱ ھ میں اصفہان میں ہی عالم فانی کو الوداع کیا،آپ کا مزار اپنے والد گرامی کے مزار کے ساتھ مسجد جامع عتیق اصفہان میں واقع ہے۔(50)

آپ کا شمار مکتب امامیہ کے معروف اور عظیم علماء اور محدثین میں ہوتا ہے، سید نعمۃ اللہ الجزائری جو کہ تقریبا چار سال تک اپنے استاد علامہ مجلسی کے گھر میں رہے وہ ان کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "میں نے کئی سال ان کے ساتھ گزارے، دن رات ان کے ساتھ رہتا تھا۔۔۔ان کے تمام کام خدا کی بندگی اور اطاعت میں انجام پاتے تھے۔اگرچہ وہ جوان تھے لیکن تمام علوم خصوصا علم حدیث میں کافی تتبع اور تحقیق کی ہوئی تھی۔ میں جب بھی کسی مجمل حدیث کے بارے میں ان سے سوال کرتا تو وہ ایک مفصل حدیث کے ذریعے کہ جس میں اس مجمل حدیث کو بیان کیا ہوتا جواب دیتے تھے۔۔۔اور میں نے کسی کو ان سے زیادہ خوش بیان نہیں دیکھا۔"(51)

علامہ مجلسی کے اہم اساتید میں ؛ان کے والد گرامی ملا محمد تقی مجلسیؒ، محمد صالح مازندرانی (متوفی ۱۰۸۶ھ)، ملا محسن فیض کاشانی، اور ملا خلیل قزوینی شامل ہیں۔(52) سید نعمۃ اللہ جزائری کے بقول، علامہ مجلسیؒ کے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، ان شاگردوں میں سے بعض نے جہاں ان سے کسب فیض حاصل کیا وہاں انہوں نے ''بحارالانوار'' کی تالیف اور تدوین میں اور ان کی بعض دوسری کتابوں میں معاونت اور مدد کی ہے۔جیسے سید نعمۃ اللہ جزائری، شیخ عبداللہ بن نور الدین بحرانی صاحب کتاب العوالم، ملا عبداللہ آفندی اصفہانی صاحب ریاض العلماء، محمد بن علی اردبیلی صاحب جامع الرواۃ، سید محمد صالح بن عبد الواسع خاتون آبادی صاحب کتاب حدائق المقربین اور علامہ مجلسی کی کتب کے بارے میں علماء میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے، بعض کتاب شناسوں کے نزدیک ان کی تعداد ۵۹ سے ۹۹ تک ہے، ان کے بعض آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی کی اہم، بزرگ اور مشہور ترین کتاب بحار ہے، یہ کتاب تقریبا چار سو کے قریب کتب اور رسالوں کا مجموعہ ہے، یہ کتاب حقیقت میں ایک چھوٹا کتابخانہ ہے کہ جسمیں تمام کتابوں کو ایک نام سے جمع کردیا گیا ہے۔علامہ مجلسی نے بحار کی روایات کی صحت سے متعلق کوئی اقدام یا ادعا نہیں کیا، ان کا ہدف اور مقصد کلمات اہل بیتؑ کو جمع کرنا تھا تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں، انہوں نے بہت طاقت فرسا کوششوں سے انتہائی معتبر اصول حدیث اور قدیم منابع حدیثی سے ان روایات کو جمع کیا ہے۔

۲۔ مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول: اس کتاب کا شمار اصول کافی کی بہترین شروحات میں ہوتا ہے، اس کتاب کے بعض حصوں کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے داماد محمد صالح خاتون آبادی کے توسط سے ہوئی ہے۔

۳۔ ملاذ الاخیار فی شرح تہذیب الاخبار: شرح تہذیب الاحکام شیخ طوسی۔

۴۔ حق الیقین: یہ ان کی آخری کتاب ہے جو کہ اصول دین پر مشتمل ہے، خصوصا مسئلہ امامت کے بارے میں اس میں بحث کی گئی ہے، یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے۔

علامہ مجلسی کے بعض نظریات

علامہ مجلسی کے علمی نظریات اور افکار، اور ان کی اخباریت سے نسبت اور اسکی طرف جھکاؤ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض لوگوں کے بقول وہ معتدل اخباریوں میں سے ہیں۔ اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ علامہ مجلسی نہ تو اخباری محض ہیں اور نہ مجتہد خالص۔ بلکہ ان کا اپنا ایک جداگانہ مسلک ہے، ان کے شاگرد شیخ یوسف بحرانی کی نظر میں ''اخباریوں اور اصولیوں کے بین بین ہیں''۔ (53)

علامہ مجلسی کے اعتدال پر بہترین دلیل محمد معصوم شیرازی کا وہ قول ہے جو وہ علامہ مجلسی کی زبان سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :

"حقیر کا مسلک اس بارے میں وسط ''معتدل'' ہے، افراط اور تفریط تمام امور میں قابل مذمت ہے، بندہ اس گروہ (اخباریت) کے ان نظریات کو جن میں فقہای امامیہ کی توہین کی گئی ہے، اور ان کی طرف قلّت تدین کی نسبت دی گئی ہے، ان کو غلط اور خطاکار سمجھتا ہوں۔ وہ لوگ بزرگان دین میں سے تھے، میں ان کی کوششوں کی قدر دانی کرتا ہوں، اور اسیطرح اس مسلک اور گروہ کو جو ان ''اصولی'' مجتہدین کو اپنا پیشوا قرار دیتے ہیں، اور کسی بھی مسئلہ میں ان کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کو بھی صحیح نہیں سمجھتا۔۔۔" (54)

علامہ مجلسی کے نظریات سے آشنائی اس بات کو مزید واضح اور روشن کرتی ہے کہ وہ کس مسلک اور مرام پر تھے چنانچہ وہ اپنے تحصیل علم کے بارے میں یوں رطب اللسان ہیں کہ :

"میں جوانی کی ابتداء میں تمام علوم دینی کو حاصل کرنے کا مشتاق تھا، اور میں نے ہر چشمہ سے ایک میٹھا گھونٹ پیا، اور اس کے بعد میں اس یقین پر پہنچ گیا کہ وہ علم انسان کے کام آسکتا ہے جس کو منبع وحی اور اس خاندان سے حاصل کیا جائے جن پر جبرائیل امین نازل ہوتے تھے، لہٰذا اس کے بعد میں نے اخبار اور روایات اہل بیت میں تحقیق اور جستجو کرنا شروع کر دی۔" (55)

علامہ مجلسی دینی مسائل میں عقل کے مقام کے بارے میں کہتے ہیں کہ :

"آئمہ معصومینؑ نے معرفت امام کے بعد عقل کے باب کو مسدود کر دیا ہے، اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ تمام امور میں ان کی پیروی کی جائے، لہٰذا انہوں نے تمام امور میں عقول ناقصہ پر تکیہ کرنے سے منع کیا ہے۔" (56)

علامہ مجلسیؒ کے نظریے کے مطابق لوگ اصول اعتقادی میں بھی ادلہ عقلیہ سے استفادہ نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ وہ ادلہ، قرآن و سنت سے مستفاد ہوں، کیونکہ صرف وہی تعقل معتبر ہے جو قانون شریعت سے متصادم نہ ہو بلکہ شریعت کے موافق ہو۔ (57)

علامہ مجلسی کے ان نظریات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخباریت کی طرف جھکاؤ اور رجحان رکھتے تھے، اس کے علاوہ کچھ دوسرے قرائن بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں جیسا کے ان کے والد محمد تقی مجلسی، ان کے بہت سارے اہم اساتذہ، اکثر شاگرد یہ سب کہ سب اخباری تھے اور خود علامہ مجلسی کی اکثر کتابیں بھی روائی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف بہت سارے دوسرے عوامل ایسے جو ان کے اخباری ہونے کو مشکوک کرتے ہیں یعنی وہ اخباریوں کے بہت سارے اساسی اور بنیادی نظریات کے مخالف ہیں، جیسا کہ:

۱۔ اکثر اخباریوں کے برعکس جو کہ ظواہر قرآن کو بغیر روایات کی تائید کے حجت نہیں مانتے اور ان پر توقف کرتے ہیں، علامہ مجلسی نے اس سلسلے میں تصریح کی ہے کہ وہ ظواہر آیات کو حجت مانتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے عملا بحار الانوار کے ہر باب کے شروع میں پہلے اس باب اور موضوع سے متعلق آیات کو ذکر کیا ہے قطع نظر از روایات، اور اس کے بعد وہ روایات کو ذکر کرتے ہیں۔ (58)

۲۔ شبہات تحریمیہ میں بھی اخباریوں کے برعکس وہ اصل برائت کے قائل ہیں، اور اسی وجہ سے وہ تنباکو کو حرام نہیں سمجھتے تھے، اور نہ فقط یہ کہ حرام نہیں سمجھتے تھے بلکہ خود منبر پر قلیان (حقہ) استعمال کرتے تھے۔ البتہ اس نکتہ سے ہماری توجہ غافل نہیں ہونی چاہیے کہ علامہ مجلسی کا یہ کام ایک اجتماعی اور معاشرتی کاوش تھی جس کے ذریعے وہ اخباریوں کی بڑھتی ہوئی شدت پسندی کو روکنا چاہتے تھے۔ (59)

۳۔ مفاہیم کی بحث میں، اخباریوں کے خلاف جو کہ کسی بھی مفہوم کو حجت نہیں مانتے، علامہ مجلسی اصولیوں کی طرح مفاہیم کو حجت سمجھتے ہیں۔

۴۔ اخباریوں کی روش کے برعکس جیسا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی حرمت یا وجوب کے بارے میں ہمیں علم نہ ہو تو اس کے بارے میں فتویٰ نہیں دیا جاسکتا اور ایسے موارد میں توقف ضروری ہے، جبکہ

علامہ مجلسی کی نظر میں چاہے اصول ہوں یا فروع اگر کسی چیز کے بارے میں ہمیں علم حاصل نہ ہو تب بھی ظن شرعی کافی ہے۔

۵۔ اخباری علماء ''اجماع کو اہل سنت کی اختراعات میں شمار کرتے ہیں، جبکہ علامہ مجلسی اصولی علماء کی طرح اسکو حجت سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ''اسکا وقوع نادر، بلکہ محال ہے''۔

۶۔ اجتہاد کے بارے میں بھی ان کا نظریہ اخباریوں کے خلاف ہے، جیسا کہ اخباری معتقد ہیں کہ اجتہاد حرام ہے اور مفتی بغیر علم کے فتوی دے تو اگر وہ واقع کہ مطابق ہو تو اسکو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر مخالف واقع ہو تو وہ گنہگار ہے۔ جبکہ علامہ مجلسی کا عقیدہ یہ ہے کہ مفتی خطا کی صورت میں معذور ہے اور اگر واقع کے مطابق ہو تو اسکو دو اجر ملیں گے۔ ایک اجتہاد اور کوشش کا اجر، اور دوسرا واقع تک پہنچنے کا اجر۔

۷۔ علامہ مجلسی کا نظریہ علم اصول کے بارے میں بھی اخباریوں کے نظریے کے برعکس ہے، جو کہ علم اصول کو اہل سنت کی ایجاد اور باطل سمجھتے ہیں، جبکہ مجلسی کے عقیدے کے مطابق علم اصول کا ایک حصہ علوم الہی میں سے ہے؛ کیونکہ علم حدیث اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۸۔ علامہ مجلسی اخبار کی تقسیم کے بارے میں بھی اخباریوں کے مخالف نظریہ رکھتے ہیں، کیونکہ اخباری احادیث کی چار قسموں یعنی، صحیح، حسن، موثق اور ضعیف کی تقسیم کو باطل سمجھتے ہیں، جبکہ علامہ مجلسی کے نزدیک یہ تقسیم قابل قبول ہے۔(60)

ان نظریات اور افکار کی روشنی میں علامہ مجلسی کا شمار مجتہدین میں ہونا چاہیے اور ان کا حساب اخباریوں سے جدا ہونا چاہیے، لیکن اگر ان کے نظریات کا علمی بنیادوں پر جائزہ لیا جائے اور ان کو ان کی عملی روش اور اخباری نظریات کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو یہ بات شاید زیادہ مناسب ہو کہ ان کا شمار اخباریوں کے بجائے اہل اجتہاد میں ہوتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ عقل گرا ہونے سے زیادہ نقل گرا ہیں۔ جیسا کہ یہ بات روشن ہے کہ اخباریوں میں بھی دو طرح کے طرز تفکر پائے جاتے ہیں، کچھ روایات کی طرف شدت سے رجحان رکھتے ہیں اور کچھ معتدل ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ علامہ مجلسی کا شمار معتدل افراد میں کیا جائے، لہٰذا علامہ مجلسی کے لیے مناسب ہوگا کہ ان کو ''اخباری'' کے بجائے ''اخبار گرا'' کہا جائے، یہاں اخباریوں میں ان کے ذکر کی وجہ بھی اخبار اور احادیث کی طرف ان کا جھکاؤ ہے۔

۹۔ سید نعمۃ اللہ جزائری (۱۰۵۰۔ ۱۱۱۲ ھ)

سید نعمت اللہ فرزند عبد اللہ بن محمد موسوی جزائری،آپ کی ولادت بصرہ کے صباغیہ نامی جزیرہ میں ہوئی،آپ کا شمار شیعوں کے عظیم اور بڑے محدثین میں ہوتا ہے، بعض بڑے علماء کے بقول آپ روایات اہل بیتؑ کے بارے میں وسیع علم رکھتے تھے،آثار معصومینؑ پر آپکی خاص نظر تھی۔آپ نے جزائر، ہویزہ اور شیراز میں علم حاصل کیا،اور اس کے بعد اصفہان چلے گئے اور چار سال تک علامہ مجلسی کے گھر میں قیام پذیر رہے۔آپ نے بحار الانوار کی تالیف میں علامہ مجلسی کی مدد اور معاونت کے علاوہ وہاں ''مرآۃ العقول، شرح اصول کافی'' کی تدریس بھی کی۔اس کے بعد آپ اپنے آبائی علاقے جزائر کی طرف لوٹ آئے؛لیکن وہاں پر والی بصرہ اور عثمانی خلافت کے والی بغداد کے درمیان نزاع کی وجہ سے ہویزہ اور اس کے بعد شوشتر تشریف لے گئے،اور وہاں قاضی القضاۃ، شیخ الاسلام اور امامت جمعہ کا منصب آپ نے قبول کر لیا۔پھر وہیں پر تعلیم اور تدریس کا سلسلہ سال ۱۱۱۲ھ تک جاری رکھا،لیکن اسی دوران ایک دفعہ امام رضاؑ کی زیارت سے واپسی پر پل دختر کے نزدیک آپ کا انتقال ہو گیا اور وہاں پر ہی آپکو دفن کر دیا گیا۔(61)

سید نعمت اللہ جزائری، نے مختلف موضوعات پر بہت ساری کتب تالیف کی ہیں، خصوصا اخبار اور روایات اہل بیت کے سلسلے میں آپ نے پچاس سے زیادہ آثار تالیف کئے، جن میں بعض متعدد جلدوں پر مشتمل ہیں۔آپ کے مہم ترین آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ الانوار النعمانیہ: یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ منبع الحیات فی حجیۃ قول المجتہدین من الاموات: اس کتاب میں دو مباحث کی گئی ہیں،ایک مردہ مجتہد کے قول کی حجیت اور اعتبار، اور اس کے علاوہ لوگوں کی مقلد اور مجتہد میں تقسیم۔

۳۔ الھدایۃ فی الفقہ: آپ کا طہارت میں رسالہ عملیہ۔

۴۔ مقامات النجاۃ: یہ کتاب اسماء الحسنی کی شرح اور مختلف لطیف نکات پر مشتمل ہے،آپ نے اسکی پہلی جلد کی ''حرف ضاد'' تک تکمیل کی تھی مگر اس کے بعد آپ کے استاد علامہ مجلسیؒ نے عرفانی اور سیر و سلوک کے مطالب کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل سے آپ کو روک دیا۔

۵۔ عقود المرجان یا حواشی القرآن؛ یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

۶۔ غایۃ المرام: شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب الاحکام پر ایک جدید اور مختصر شرح تھی، سید نعمت اللہ نے اسی کتاب پر تفصیلی شرح بنام ''مقصوم الانام'' کے بعد اس کتاب کو تالیف کیا۔
سید نعمت اللہ جزائری نے تہذیب کے علاوہ دوسری روایي اور حدیثی کتابوں پر شروحات لکھی ہیں جیسے "کشف الاسرار فی شرح الاستبصار" اسی طرح روضۃ کافی، عوالی اللآلی، توحید صدوق، عیون اخبار الرضاؑ، الاحتجاج طبرسی اور صحیفہ سجادیہ پر بھی شروح تحریر کی ہیں۔(62)

سید نعمت اللہ جزائری کے نظریات اور آراء کا جائزہ

جیسا کے معروف ہے، سید نعمت اللہ جزائری اخباری مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کی بعض تعبیرات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ اسکی دلیل ایسی روایات کو نقل کرنا جن میں احکام کے اندر دلیل عقلی کے متعلق بحث کی گئی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ آپ کا جھکاؤ اخباریت کی طرف تھا۔ نمونے کے طور پر ہم یہاں ان کا نظریہ ذکر کرتے ہیں، وہ اس بات کے قائل تھے کہ اگر دلیل عقلی اور نقلی میں تعارض اور تصادم پایا جائے تو دلیل نقلی، دلیل عقلی پر مقدم ہے، اور اس بات کے اثبات کے لیے وہ ''اخبار صحیحہ'' سے استناد کرتے تھے؛ یعنی نقل کے عقل کے مقابلے میں دفاع کے لیے خود نقل سے دلیل ذکر کرتے ہیں۔(63) لیکن اس کے باوجود وہ اخباریوں کے کچھ اہم اور بنیادی عقائد اور نظریات کے مخالف نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اخباریوں کے نظریہ کے برعکس وہ کتب اربعہ کی تمام روایات کو معتبر نہیں سمجھتے، یہاں تک کہ بعض کو صریحا رد کرتے ہیں۔(64)

۲۔ وہ اجتہاد جو کتاب و سنت سے استنباط شدہ ہو اسکو نہ فقط جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں۔(گذشتہ حوالہ، ص ۴۳) اگرچہ عقلی دلائل کو فقہی اور غیر فقہی مسائل میں قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

۳۔ وہ اس بات کے معتقد تھے، اہل اجتہاد بھی سعی و کوشش اور زحمت کرتے ہیں، اور جو کام وہ انجام دیتے ہیں اس پر وہ نیک پاداش کے مستحق ہیں، اور شائد صحیح راستہ وہی ہو جس پر انہوں نے سفر کیا ہے۔

۴۔ ظواہر آیات قرآن اور سنت پیامبر ﷺ کو حجت مانتے ہیں۔(65)

۵۔ ان سب نظریات میں ان کا سب سے اہم نظریہ یہ ہے کہ جس کو انہوں نے اپنی کتاب ''منبع الحیاۃ'' میں ذکر کیا ہے، اس کتاب میں وہ دو اصولوں کے متعلق بحث کرتے ہیں ایک وہ فقہاء کے اس قول کو رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ؛ قول میت، میت کی طرح ہے اور حجت نہیں ہے'' لیکن سید جزائری میت کے قول کو بھی حجت سمجھتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں کہ لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جائے ایک مجتہد اور دوسرا مقلد۔ (66)

سید جزائری کے ان نظریات کو دیکھتے ہوئے اس نکتہ کی جانب توجہ ضروری ہے کے سید جزائری کے اساتید میں بعض ایسے افراد شامل تھے جو کہ یقینی طور پر اصولی اور مکتب اجتہاد سے وابستہ تھے، جیسے مرزا ابراہیم فرزند ملا صدرای شیرازی، شاہ ابوالوالی محمد شیرازی (ان استادوں سے سید نے فلسفہ اور کلام پڑھا) شیخ جعفر بحرانی (جن سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی) سید ہاشم بن حسین احسائی جن سے ''زبدۃ الاصول شیخ بہائی'' کو پڑھا، اور شیخ عماد الدین یزدی، جو آپ کے حکمت، منطق اور ریاضی میں استاد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم عقلیہ سے بھی سروکار رکھتے تھے۔

دوسری جانب علوم نقلیہ میں آپ کے اساتید جو اخباریت کی طرف میل یا رجحان رکھتے تھے وہ نسبتا معتدل تھے جیسے علامہ محمد باقر مجلسی، فیض کاشانی، شیخ عبد علی حویزی، یہ سب کے سب افراد اخباریوں مین معتدل نظریات کے حامل تھے۔ مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے کہ سید جزائری کو معتدل اخباریوں میں شمار کیا جائے، اگرچہ وہ علامہ مجلسی کی نسبت کم معتدل تھے۔ (67)

۱۰۔ شیخ عبداللہ سماہیجی (۱۰۸۶۔۱۱۳۵ ھ)

شیخ عبداللہ فرزند صالح بن جمعہ، بحرین کے ایک دیہات سماہج میں پیدا ہوئے، خوارج کے حملہ کے سبب اصفہان آگئے، اور جب افغانیوں نے اصفہان پر حملہ کیا تو وہاں سے بہبہان چلے گئے اور ہمیشہ کے لیے ادھر ہی سکونت اختیار کر لی۔ سماہیجی ایک متبحر محدث، اور ید طولی رکھنے والے شاعر تھے۔ سماہیجی کے اساتید میں سے ان کی تعلیم و تربیت میں جس شخص کا کردار سب سے زیادہ ہے وہ 'شیخ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی المعروف محقق بحرانی ہیں۔

سماہیجی کا شمار شدت پسند اخباریوں میں ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ہم مسلک اخباریوں سے بہت عقیدت اور ارادت رکھتے تھے، جیسا کہ اپنے ایک اجازہ میں جو انہوں نے شیخ یاسین کو عطا کیا اس میں خود کو ''اخباریوں کا خادم اور ان کے قدموں کی خاک'' قرار دیا ہے۔(68) لہٰذا ان کو اخباریوں سے جتنی زیادہ محبت اور عقیدت تھی ،برعکس اہل اجتہاد اوراصولیوں سے اتنی ہی زیادہ نفرت اور عداوت تھی، سماہیجی اصولیوں کو برا بھلا کہنے میں شہرت رکھتے تھے۔ محدث بحرانی جو کہ خود ایک اخباری ہیں، سماہیجی کو خالص اور ناب اخباریوں میں شمار کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ؛ سماہیجی بہت زیادہ مجتہدوں کی برائی اور ملامت کرتے تھے۔(69) لہٰذا سماہیجی اخباریت میں انتہائی شدت پسندی سے کام لیتے تھے،اور یہ بات اس زمانے اور بعد کے علماء میں معروف تھی۔

سماہیجی نے بہت ساری کتب تالیف کی ہیں،ان کتب کی خصوصیت یہ ہےکے ان میں سے اکثر مجتہدین اور اصولیوں کے خلاف ،اور اخباریوں کی حمایت میں لکھی گئی ہیں۔ ان کی معروف کتاب ''منیتہ الممارسین فی اجوبۃ الشیخ یاسین'' اس کتاب میں سماہیجی نے،اخباریت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور تقریباچالیس کے قریب اصولیوں اور اخباریوں میں فرق بیان کئے ہیں۔

ان کے دوسرے آثار میں بھی ان کے اخباری نظریات کی شدت اور غلبہ نظر آتا ہے، جیسے ایک رسالہ بنام ''رسالہ ای در نفی اجتہاد'' اس رسالے میں انہوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ اجتہاد معصومینؑ کے زمانے میں اصلا موجود نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ''ریاض الجنان المشحون باللؤلوۃ والمرجان'' الرسالۃ العلویہ فی ثلاث مسائل کلامیہ، کتاب النوحیہ'' یہ کتاب علم اصول فقہ سے متعلق ہے اور نوح بن ہاشم کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔(70)

۱۱۔ شیخ یوسف بحرانی (۱۱۰۷۔۱۱۸۶ھ)

شیخ یوسف بن احمد بن ابراہیم بن احمد بن صالح بحرانی المعروف بہ ''صاحب حدائق'' جلیل القدر محدث،آپ اخلاص اور اخلاقی خصوصیات کی وجہ سے علمی لحاظ سے بہت بلند مقام پر فائز ہوئے۔آپ کا مقام ولادت قریہ ''ماحوز'' منامہ (بحرین کا دارالحکومت) سے جنوب غرب کی جانب واقع ہے۔ بچپن میں آپ نے علمی ،ادبی، تربیتی اور اخلاقی تعلیم اپنے والد گرامی جناب ''شیخ احمد بحرانی'' سے حاصل کی۔

لیکن آپ نے اپنے والد کی اصولی اور اجتہادی روش اور مسلک کو چھوڑ کر محمد امین استر آبادی کے شیوہ اور نظریہ کو اپنایا اور اخباری مسلک کی طرف جھکاؤ پیدا کیا۔ لیکن ان کا شمار معتدل اور میانہ رو اخباریوں میں ہوتا ہے۔ (71)

محدث بحرانی کی زندگی، نشیب و فراز، تلخیوں اور شیرینیوں کا مجموعہ ہے انہوں نے بہت پر آشوب زمانہ دیکھا اور ان کی زندگی ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک دیہات سے دوسرے دیہات میں مہاجرت اور مسافرت میں گزری اور آخر شہید نینوا کے جوار میں ان کو پناہ ملی، آخر عمر تک وہیں سکونت اختیار کی اور کربلا میں ہی دار دنیا کو الوداع کیا اور امام حسینؑ کے قدموں میں دفن ہوئے۔

انہوں نے اپنی روش اور مسلک کو علامہ مجلسیؒ صاحب بحار الانوار کے مسلک سے تعبیر کیا ہے، لیکن نظریاتی اور فکری طور پر اعتدال کے باوجود، محمد باقر وحید بہبانی (متوفی ۱۲۰۵ ھ) نے ان کی شدید مخالفت کی اور جو لوگ ان کے درس میں شرکت کرتے تھے ان کی ملامت کرتے تھے۔ سید علی طباطبائی (متوفی ۱۲۳۱ ھ) صاحب ریاض المسائل، جو کہ آقای بہبہانی کے داماد بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے سسر محترم سے چھپ کر صاحب حدائق کی خدمت میں پہنچتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ (72)

وحید بہبہانی اس حد تک اخباریوں کے مخالف تھے کہ وہ لوگوں کو صاحب حدائق کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ درحالانکہ صاحب حدائق کے نزدیک وحید بہبہانی کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح تھا، جب صاحب حدائق کو یہ خبر دی گئی کہ وحید بہبہانی نے آپ کے بارے میں یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے کہا، ان کا شرعی وظیفہ وہی ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں اور میرا شرعی وظیفہ وہی ہے جس کو میں نے بیان کیا ہے۔ ہم دونوں میں سے ہر کوئی اپنے اس وظیفے پر عمل پیرا ہے جس پر خدا نے ہم کو مکلّف بنایا ہے، اور یہ صاحب حدائق کا اجتہاد ہے جس سے ان کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ (73)

علامہ یوسف بحرانی نے جہاں بہت سارے جلیل القدر علماء سے کسب فیض کیا، وہاں انہوں نے بہت سارے عظیم علماء اور شاگردوں کی تربیت بھی کی ہے۔ آپ کے کچھ شاگردوں کے نام یہ ہیں، ملا محمد مہدی نراقی، صاحب جامع السادات، علامہ سید مہدی بحر العلوم، شیخ ابو علی حائری، صاحب منتہی المقال، سید علی طباطبائی، صاحب ریاض المسائل وغیرہ (74)

محدث بحرانی بہت ساری کتابوں کے مؤلف بھی ہیں،الدرر النجفیہ کے مقدمہ میں پچاس کتابیں،رسالے، حواشی،اور اجوبۃ المسائل ان کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ان کے بعض آثار درج ذیل ہیں:

۱۔الحدائق الناضرۃ: یہ کتاب اخبار کی جمع آوری،اور تفسیر کے لحاظ سے بہترین فقہی کتاب ہے، گرچہ مؤلف کی رحلت کی وجہ سے مکمل نہیں ہوسکی،خود محدث بحرانی اس کتاب کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ:

"ہمارے علماء میں سے کسی نے ''الحدائق الناضرۃ جیسی کتاب نہیں لکھی، کیونکہ میں ہر مسئلہ میں وارد ہوا ہوں تو میں نے اس مسئلہ سے متعلق تمام روایات ، فقہاء کے اقوال اور اسکی فروعات کو ذکر کیا ہے،البتہ یہ کربلا معلّیٰ کی برکات ہیں۔"(75)

محدث بحرانی اس کتاب میں ظواہر قرآن کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں آیات، روایات کے بغیر قابل استفادہ نہیں ہیں،ان کی نظر میں احکام میں ظواہر آیات سے فقط روایات کی مدد سے ہی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ وہ احکام شرعیہ میں عقل کی حجیت کو بھی رد کرتے ہیں، نیز شبہات حکمیہ میں استصحاب کی حجیت کے بھی منکر ہیں۔(76)

۲۔الدرر النجفیہ: یہ کتاب ۶۲ فقہی موتیوں پر مشتمل ہے، محدث بحرانی نے اس کتاب میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جب بھی عقلی دلیل نقلی دلیل سے متصادم ہو تو نقلی دلیل عقلی دلیل پر ترجیح رکھتی ہے۔(77)

۳۔لؤلؤۃ البحرین: یہ کتاب خود صاحب حدائق کے حالات زندگی اور ان کے مشائخ اجازہ کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔

۴۔سلاسل الحدید فی تقیید ابن ابی الحدید: یہ کتاب امامت کی مباحث پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ ابن ابی الحدید معتزلی کے امامت، خلفاء اور صحابہ کے حالات زندگی کے بارے میں نظریات کو نقل اور نقد کیا گیا ہے۔

۱۲۔ مرزا محمد اخباری (۱۱۷۸۔ مقتول ۱۲۳۲ھ)

مرزا محمد بن عبد النبی بن عبد الصانع نیشاپوری اکبر آبادی، کنیت ابو احمد و المعروف بہ مرزا محمد اخباری و محدث نیشاپوری (متوفی ۱۲۳۲ ھ)، مرزا اخباری ایسے عالم تھے کہ جو علوم غریبہ میں بھی مہارت رکھتے

تھے،اس کے علاوہ آپ نے ساٹھ ہزار کے قریب عربی اور فارسی شعر کہے ہیں۔آپ کے اجداد کا تعلق استر آباد سے تھا،آپ کے والد نیشاپور کے رہنے والے تھے، اور وہاں سے اکبر آباد ہندوستان میں ہجرت کی۔ مرزا محمد ہندوستان میں پیدا ہوئے،انہوں نے ابتدائی تعلیم ہندوستان میں ہی حاصل کی اور بیس سال کی عمر میں ہندوستان سے بیت اللہ کی زیارت کے لیے عازم ہوئے اور وہاں سے واپسی پر دینی علوم حاصل کرنے کے لیے،کچھ عرصے کے لیے نجف، کربلا اور کاظمین میں سکونت اختیار۔(78)

مرزا محمد شدت پسند اور متعصب ترین اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی ساری زندگی اصولی علماء اور مجتہدین سے نزاع اور جدال میں گزری، انہوں نے مجتہدین کی شان میں کافی جسارتیں کی ہیں۔مثلا شیخ جعفر کاشف الغطاء (متوفی ۱۲۲۷ ھ) کو انہوں نے نسل بنی امیہ سے قرار دیا، اور جب ایران میں انہوں نے شیخ جعفر الغطاء کی وفات کی خبر سنی تو یہ جملہ کہا: ''مات الخنزیر بمرض الخنازیر''(79)

انہوں نے وحید بہبہانی کو ''فقیہ مروانیان'' کا لقب دیا، کہ جن کے ہاتھوں سے اخباری علماء نے بہت تکلیف برداشت کی،اور وہ زوال کا شکار ہوگئے۔(80)

مرزا محمد اخباری کی عبرت انگیز زندگی کا مطالعہ لطف سے خالی نہیں ہے، ان کی شدت پسندی کی وجہ سے آخر کار مجتہدین نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کیا اور وہ اسی راستے میں قتل کر دیئے گئے۔ مرزا محمد اخباری نے علماء عتبات سے کسب فیض کے بعد، فقہاء جیسے شیخ جعفر نجفی، سید علی طباطبائی،صاحب ریاض المسائل، سید محمد باقر شفتی اصفہانی، محمد باقر کلباسی اور سید محسن کاظمی اعرجی،کے ساتھ شدید اختلافات شروع کر دیئے،اور ان کو اپنے مجادلات اور شدت پسندانہ نظریات کے ذریعے شدید اذیت میں مبتلا کر دیا، آخر کار اصولی علماء کے دباؤ پر مرزا محمد کو عراق سے نکلنا پڑا،انہوں نے وہاں سے ایران کی طرف ہجرت کی۔کچھ مدت تک وہ ایران کے شہروں جیسے ری،اصفہان، مشہد،گیلان میں سرگرداں رہے۔ دو سال تک فیروز آباد میں امامت جمعہ کرانے کے بعد، مرزا تہران آگئے،اور وہاں فتح علی شاہ قاجار نے آپ کو بہت عزت اور احترام دیا اور چار سال تک وہاں رہنے کے بعد عراق پلٹ آئے اور پھر کاظمین چلے گئے۔ لیکن انہوں نے دوبارہ عراق واپس آنے کے بعد بغیر کسی خوف اور ڈر کے علی الاعلان، محافل اور منبر پر اصولی مجتہدین کو سب و شتم کرنا شروع کردیا ، یہاں تک کہ سید محمد مجاہد(متوفی ۱۲۴۲ ھ) صاحب مناہل، کاظمین تشریف لائے اور مرزا محمد کو اس کام سے روکا، لیکن انہوں نے ان کی بات ماننے سے ان

کار کر دیا، اور نہ فقط یہ کہ ان کی بات نہ مانی بلکہ ان کو بھی اذیت کرنا شروع کر دی۔ سید محمد نے مجبور ہو کر اس واقعہ کی اطلاع شیخ موسی فرزند شیخ جعفر کاشف الغطاء کو نجف میں دی، وہ علماء اور عوام کے ایک وفد کے ساتھ کاظمین آئے اور وہاں ایک میٹنگ کی، اس میٹنگ میں سید مجاہد، سید عبد اللہ شبر، اور شیخ اسد اللہ کاظمینی وغیرہ بھی موجود تھے، اس میٹنگ میں مرزا محمد اخباری کے قتل کا حکم صادر کیا گیا اور اس کی تائید کر کے لوگوں کے سامنے اس کو سب کو سنایا گیا۔

دوسری طرف عثمانی خلافت کے دو نمائندوں بنام اسعد پاشا اور دواؤد پاشا کے درمیان بغداد کی حکومت کے سلسلے میں نزاع چل رہی تھی، اسعد پاشا کے مرزا محمد سے تعلقات تھے اور ان کے ہاں آنا جانا تھا، لہذا جب دواؤد پاشا نے مرزا محمد کے قتل کا حکم سنا تو اپنے رقیب اسعد پاشا کو نقصان پہنچانے اور اس سے بدلہ لینے کی خاطر لوگوں کو اسطرح بھڑکایا کہ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۳۲ھ، میں لوگوں نے ان کے گھر پر حملہ کر دیا، اور مرزا محمد کو اس کے بیٹے احمد اور ایک شاگرد کے ساتھ قتل کر دیا، اور ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیا، اس کے بعد ایک رسی ان کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر ان کی لاش کو گلی کوچوں میں گھمایا پھرایا گیا، اور پھر مغرب کے نزدیک ان کو کاظمین کے دروازے کے قریب دفن کر دیا گیا۔ (81)

مرزا محمد کی علمی زندگی پر ایک نظر

مرزا محمد اخباری المعروف محدث نیشاپوری کے بعض اساتید کے نام درج ذیل ہیں:

آقا محمد باقر بن محمد علی؛ شیخ موسی بن علی بحرانی (متوفی ۱۲۰۸ھ)؛ مرزا محمد مہدی شہرستانی (متوفی ۱۲۱۶ھ)؛ محمد علی فرزند محمد باقر وحید بہبہانی (۱۲۱۶ھ)۔ (82) مرزا محمد کے بعض معروف شاگردوں کے نام جنہوں نے ان سے تلمذ کیا، عبارت ہیں: فتحعلی خان شیرازی سبط کریم خان؛ ملا محمد باقر دشتی لاری؛ ملا عبد الحسین؛ محمد ابراہیم بن محمد علی طبسی اور ملا عبد الصاحب دوانی۔ (83)

مرزا محمد کی اکثر تالیفات، علم فقہ، علم کلام، اور اخباریت کے دفاع اور اصولی مجتہدین کی مخالفت میں تحریر کی گئی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی علم رجال سے مربوط کتاب ''صحیفۃ الصفا'' میں بیان کیا ہے کہ، چالیس سال کی عمر تک اسی (۸۰) کے قریب کتب اور رسالے تحریر کر چکے تھے۔ (84) یہاں ہم ان کی بعض تالیفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ صحیفۃ الصفا: یہ ان کی مشہور کتاب ہے جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے،اس کی پہلی جلد میں انہوں نے علم رجال کی مقدماتی مباحث اور علم حدیث اور درایۃ سے متعلق مہم مطالب کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ دوسری جلد میں حروف تہجی کے اعتبار سے دوسرے علماء اور اپنے حالات زندگی اور اپنی تالیفات کو بیان کیا ہے۔

۲۔ منیتہ المرتاد فی ذکر نفاۃ الاجتہاد: اس کتاب میں آئمہ کے اصحاب سے لیکر اپنے زمانے تک جتنے لوگ اجتہاد کے منکر تھے اور جنہوں نے اجتہاد کے رد میں کتب لکھی ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ شمس الحقیقۃ: یہ کتاب اخباریت کی تعلیمات سے متعلق ہے۔

۴۔ البرہان فی التکلیف والبیان : یا البرہانیہ: اس کتاب میں تکلیف،اسکی شرائط،اور اسباب کا ذکر ہے، نیز اخباری مسلک کی حقانیت اور مجتہدین کی توہین اور رد ہے۔

۵۔ حرز الحواس عن وسوسۃ الخناس: اس کتاب اصولیوں اور اخباریوں کے درمیان ۳۹ افتراقات کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ الطہر الفاصل بین الحق والباطل: اس کتاب میں انہوں نے اخباریوں اور اصولیوں کے درمیان ۸۶ امتیازات کو بیان کیا ہے۔

۷۔ الدمدمۃ الکبری فی الرد علی الزنادقۃ الصغری: یہ ان کی اصولیوں کے رد میں ایک اور کتاب ہے۔

۸۔ قبسۃ العجول: یہ کتاب مرزا محمد اخباری نے علم اصول کے رد میں لکھی تھی، مرزا قمی نے ایک رسالہ بنام ''عین العین'' اس کے رد میں تحریر کیا،اس کے بعد مرزا اخباری نے ''عین العین'' کے رد میں ایک اور کتاب بنام ''انسان العین'' تالیف کی اور اس کتاب کے لیے تین عنوان قرار دیئے۔ جیسے کتاب ''قبسۃ کی عبارات کے لیے کلمہ ''قلتّ'' کلام العین کے لیے لفظ ''قال'' اور انسان العین کے الفاظ کے لیے ''اقول'' ان الفاظ کے ذریعے ان کتابوں کی عبارات کو مشخص کیا ہے۔

۹۔ معول العقول فی قلع اساس الاصول: اس کتاب کو باب تخفیف کی وجہ سے ''قلع الاساس'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، سید دلدار علی ہندی نے اساس الاصول نامی ایک کتاب لکھی اور اسمیں مرزا محمد امین

استر آبادی کی کتاب ''الفوائد المدنیہ'' پر اعتراضات اور اشکالات کئے۔ مرزا اخباری نے یہ کتاب دلدار علی مرحوم کی کتاب اساس الاصول کے رد میں لکھی، اس کتاب میں انہوں نے شیخ جعفر نجفی کی توہین کی ہے۔

۱۰۔ غمزۃ البرہان لنبھۃ الوسنان: یہ کتاب علماء علم اصول کے رد اور ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

۱۱۔ القسورۃ: اس کتاب میں مجتہدین پر اعتراضات کئے گئے ہیں، اور بعض مسائل کو سوال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ آیا علم کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے؟ پھر خود ہی ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں، اس کتاب کو انہوں نے مرزای قمی صاحب قوانین کی طرف ارسال کیا، مرزا قمی نے بھی اس کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔

۱۲۔ آیینہ عباسی، یا امالی عباسی: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، یہ کتاب عباس مرزا، فتحعلی شاہ کے بیٹے کے حکم پر اہل کتاب کے رد اور نبوت خاصہ کے اثبات میں لکھی گئی۔ (85)

نتیجہ

اخباریہ وہی اہل حدیث ہیں، کہ شیعوں میں جنکو اخباری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ لوگ اخبار اور روایات کے تابع ہیں اور ''اجتہاد'' کو باطل سمجھتے ہیں۔ اس مسلک کے مؤسس اور بانی ملا محمد امین استر آبادی ہیں، جنکا شمار شیعوں کے متاخر علماء میں ہوتا ہے۔ صاحب ''لولوۃ البحرین'' کے مندرجات کی روشنی میں استر آبادی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجتہدین پر لعنت اور ملامت کا دروازہ کھولا، اور ان کے اس اقدام کی وجہ سے شیعہ اثنی عشریہ دو حصوں ''اخباری اور اصولی'' میں بٹ گئے۔

ملا محمد امین استر آبادی نے اپنی کتاب ''فوائد مدنیہ'' میں اپنے اخباری نظریات کو کھل کر بیان کیا ہے اور اسی کتاب میں انہوں نے اصولی مجتہدوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا اور ان کو دین کی تخریب کا ذمہ دار قرار دیا۔ ملا محمد امین منکر ''اجتہاد'' ہیں، ان کا اس سلسلے میں نظریہ یہ ہے کہ جدید علماء کا اجتہاد کا نظریہ قدیم علماء کی روش اور سیرت و سنت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن اخباری علماء میں جہاں محمد امین استر آبادی، مرزا اخباری، عبد اللہ سماہیجی جیسے شدت پسند اور متعصب علماء موجود ہیں، وہاں ایسے علماء بھی ہمیں نظر آتے ہیں جنکی سوچ معتدل، افہام و تفہیم، وحدت، برداشت اور تحمل پر مبنی ہے، ان علماء میں

سر فہرست علامہ مجلسی دوم، شیخ یوسف بحرانی، ملا محسن فیض کاشانی، سید نعمت اللہ جزائری اور شیخ حر عاملی جیسے نامور اور بزرگ علماء شامل ہیں۔

حوالہ جات

---

1 ۔ لغت نامہ دہخدا، تہران ،دانشگاہ تہران، ۱۳۷۷ شمسی، چاپ دوم، (کلمہ اخباری کے ذیل میں)۔

2 ۔ راہنمای دانشوران، سید علی اکبر برقعی قمی، ج۱، ص۱۹، ناشر، دفتر انتشارات اسلامی، چاپ اول، سال ۱۳۸۴ شمسی۔

3 ۔ لویس معلوف؛المنجد، ''حرف خ'' ص۱۸۹، مترجم، مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی، ناشر، خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور،)۔

4 ۔ فیروز اللغات، ص ۸۴، مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔

5 ۔ قلائد الفرائد، غلام رضا قمی، ص۲۰، تصحیح محمد حسن شفیعی شاہرودی، قم، مؤسسہ امام صادقؑ، ۱۴۲۳ھ، چاپ اول۔

6 ۔ حکیم متالہ، بیدآبادی ص ۴۴، اسی تعریف سے ملتی جلتی تعاریف درج ذیل منابع میں بھی ذکر ہوئی ہیں: دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، مدخل''اخباریان''، احسان قیصری، دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ، حسن امین، ج۲، ص۲۲۱، دائرۃالمعارف تشیع، مدخل ''اجتہاد'' ج۲، ص۷)۔

7 ۔ مجتبی ملکی اصفہانی ، با مقدمہ آیت اللہ جعفر سبحانی (دامت برکاتہ) فرہنگ اصطلاحات اصول، ج۱، ص ۳۴، چاپ اول، ناشر ؛عالمہ ، قم، ایران، سال ۱۳۷۹ شمسی)۔

8 ۔ دانش نامہ شاہی، استر آبادی، ص۱۷۔

9 ۔ الفوائد المدنیہ، ص۴۰ و ۱۳۵، محمد امین استر آبادی، قم دار النشر اہل البیت، ۱۳۶۳ شمسی۔

10 ۔ الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص ۱۷۰، شیخ یوسف بحرانی، قم، مؤسسہ نشر اسلامی، ۱۳۷۷ش۔

11 ۔ الفوائد الطوسیہ، ص ۴۴۶، محمد بن حسن حر عاملی، تصحیح، مہدی لازوردی و محمد درودی، قم، المطبعۃالعلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

12 ۔ المعالم الجدیدۃ للاصول، ص۸۰، شہید محمد باقر الصدر، تہران، مکتبہ النجاح، ۱۳۹۵ھ چاپ دوم؛ ادوار اجتہاد، محمد ابراہیم جناتی، ص ۳۳۵، تہران، کیہان، ۱۳۷۲ھ

13 ۔ کشف القناع، ص ۲۰۸، ۲۰۷، اسد اللہ تستری (محقق کاظمی)، قم، مؤسسہ اہل البیت، ۱۴۱۷ھ۔ چاپ اول۔

14 ۔ اسلام و مقتضیات زمان، ج۱، ص ۱۴۳، مرتضی مطہری، صدرا، ۱۴۱۹ھ ق، چاپ ۱۴۔

15 ۔ ہدایۃ المسترشدین، ج ۳، ص ۶۸۷۔۶۸۸، محمد تقی رازی نجفی اصفہانی، تحقیق، مؤسسہ نشر اسلامی، ۱۴۳۰ھ، اول۔

16 ۔ تاریخ سیاسی تشیع، روح اللہ حسینیان، ص ۲۰۰۔ ۲۰۴، تہران، مرکز اسناد انقلاب اسلامی، ۱۳۸۰ شمسی، اول۔

17 ۔ قواعد الاستنباط الاحکام، ج۱، ص۱۵؛ حسن بن یوسف حلی (علامہ حلی) ، تحقیق، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۴۱۳ھ، نقدی بر اخباریگری، ص ۱۲۔ ۱۳، سید مرزا آقا محسنی، قم؛ دار للنشر اسلام، ۱۳۷۱ شمسی، اول۔

18 ۔ المعالم الجدیدۃ للاصول، ص ۸۰۔۸۱

19۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۴۹۷؛ نقد الرجال، ص ۳۲۴، شمارہ ۵۸۱؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۸ ص ۱۸۱، ریاض العلماء، ج ۵، ص ۱۱۶۔ ۱۱۷؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۱۰۶؛ الفوائد المدنیہ، ص ۱۷۔ ۱۸ و ۱۸۵؛)

20 ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ''اجازہ، اجازہ اجتہاد تھا، رک؛ دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ، ج ۲، ص ۲۲۲، حسن امین، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۱۲ھ، چاپ پنجم۔ (دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۷، زیر نظر احمد صدر حاج سید جواد و کامران فانی و بہاء الدین خرمشاہی، تہران، شہید سعید محبی، تہران، ۱۳۷۵ شمسی، دوم۔

21 ۔ گذشتہ حوالہ، ص ۱۸۵

22۔ ''روضات الجنات، ج۱، ص ۱۲۰۔ ۱۲۲، و ج ۴، ص ۱۲۰؛ ادوار الاجتہاد، ص ۳۷۱؛ الفوائد المدنیہ، ۱۸۵، ۱۳۳، ۱۸، ۱۷؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۸، ص ۱۸؛ دانش نامہ شاہی، ص ۱۸۲؛ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج ۱۱، ص ۸۳ و ۳۱۴؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۵۶، و ۵۷۴ و ۵۷۵؛)

23 ۔ ریاض العلماء، ج ۵، ص ۱۸۴، ۹۰، ۴۷، ۴۰، ۳۶؛ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۱۶، ص ۳۵۸، ش ۱۶۶۳؛۔

24 ۔ الذریعہ، ج ۲، ص ۴، ش ۷، شیخ آقا بزرگ تہرانی، قم، اسماعیلیان۔

25 ۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں رک: بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۱۰، ۱۰۶؛ اور ج ۱۰۲، ص ۱۱۰؛ جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۸۲، رجال اصفہان، ج ۱، ص ۱۰۱؛ اعیان الشیعہ، ج ۱۳، ص ۴۵۰، ش ۹۳۱۵؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۷، ص ۱۶۱؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۱۰۱۔

26 ۔ لوامع صاحبقرانی، ج ۱، ص ۴۷۔ ۴۸، محمد تقی مجلسی، قم، اسماعیلیان، ۱۴۱۴ھ، دوم، یہ کتاب من لا یحضر الفقیہ کی فارسی شرح ہے۔

27 ۔ اعیان الشیعہ، ج ۱۳، ص ۴۵۰، ش ۹۳۱۵؛ ریحانۃ الادب، ج ۵، ص ۱۹۸؛ الذریعہ، ج ۱، ص ۱۶۲، ش ۱۶۳؛ زندگی نامہ علامہ مجلسی، ج ۲، ص ۳۷۱۔ ۳۷۵؛

28 ۔ الذریعہ، ج۱۱، ص ۳۰۲، ش ۱۸۰۳؛

29 ۔ الذریعۃ، ج۱۸، ص ۳۶۸۔۳۶۹، ش ۴۹۷ و ۵۰۰؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج۵، ص ۱۰۱۔

30 ۔ بحار الانوار، ج ۱۰۲، ص ۱۱۰۔۱۱۳؛ الذریعہ، ج ۱۳، ص ۳۰۵، ش ۱۱۱۷؛

31 ۔ ریاض العلماء، ج ۲، ص ۲۶۱؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج۷، ص ۲۴۷۔۲۴۸۔

32 ۔ روضات الجنات، ج ۳، ص ۲۷۰؛ ریاض العلماء، ج ۲، ص ۲۶۲؛

33 ۔ روضات الجنات، ج ۳، ص ۲۷۱۔۲۷۸؛ ریاض العلماء، ج ۲ ص ۲۶۱۔۲۶۵؛ اعیان الشیعہ، ج ۱۰، ص ۱۵۱، الذریعہ، ج ۱۵، ص ۴؛

34 ۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۳۳۲؛ آقا بزرگ تہرانی، قم، مؤسسہ اسماعیلیان، ۱۳۹۲، دوم۔

35 ۔ اعیان الشیعہ، ج ۱۲، ص ۴۰، ش ۵۹۴۷؛ امل الآمل، ج ۲، ص ۱۵۴، ش ۴۴۹؛

36 ۔ الانوار النعمانیۃ، ج ۲، ص ۴۶؛ منبع الحیات، ص ۲۵؛

37 ۔ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج۱۱، ص ۱۵۲؛ زیر نظر آیہ اللہ جعفر سبحانی، قم، مؤسسہ امام صادق، ۱۴۱۸ھ، اول۔ امل الآمل، ج ۲، ص ۱۵۴؛

38 ۔ نور الثقلین، ج۱، مقدمہ علامہ طباطبائی، ص ۲، عبد علی عروسی حویزی، تصحیح سید ہاشم رسولی محلاتی، قم، دار الکتب العلمیہ، دوم۔

39 ۔ امل الآمل، ج ۲، ص ۳۰۵، ش ۹۲۵؛ محمد بن حسن حر عاملی، تحقیق: سید احمد حسینی، بغداد، مکتبہ الاندلس، ۱۳۸۵ ھ، اول۔

40 ۔ مہر تابان، یاد نامہ علامہ سید محمد حسینی طباطبایی، ص ۲۶، سید محمد حسینی تہرانی، قم، باقر العلوم، ۱۴۰۲ھ، اول۔

41 ۔ الحق المبین فی تصویب المجتہدین و تخطئۃ الاخباریین، ص ۱۲، شیخ جعفر کاشف الغطاء، قم، شیخ احمد شیرازی، نسخہ سنگی۔

42 ۔ روضات الجنات، ج ۶، ص ۸۱؛ نیز رک: مقدمہ مفاتیح الشرائع، ج ۱، ص ۴؛

43 ۔ لؤلؤۃ البحرین، ص ۱۲۱،

44 ۔ مقدمہ بر فقہ شیعہ، سید حسین مدرسی طباطبائی، ص ۵۹؛ ترجمہ محمد آصف فکرت، مشہد: بنیاد پژوہش ھای اسلامی، مشہد، ۱۳۶۸ شمسی۔

45 ۔ روضات الجنات، ج ۷، ص ۱۰۴۔۱۰۵، ش ۶۰۵، الفوائد الرضویہ، ص ۱۱۰؛

46 ۔ ایضا۔

47 ۔ اثبات الھداۃ، ج۱، ص۱۱۹، باب ۴، ص ۱۳۲، باب ۵ وص ۳، محمد حر عاملی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۴ھ۔

48 ۔ ان موارد کے لیے رک؛ وسائل اشیعہ، ج۱۸، ص۹، ص ۱۵۲، ۱۲۹، ۸۹، ۱۱۹، ۱۱۱، ج۲۰، ج۲۰، ص۳۶-۴۹۔

49 ۔ اثبات الھداۃ، ج۱، ص۱۱۹، باب ۴، ص ۱۳۲، باب ۵ وص ۳؛

50۔ روضات الجنات، ج ۲، ص۸۷؛ محمد باقر موسوی خوانساری، تحقیق: اسداللہ اسماعیلیان، تہران، اسماعیلیان، ۱۳۹۰ھ۔

51 ۔ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار، ج۲، ص۷۵؛ سید نعمت اللہ جزائری، تحقیق؛ مؤسسہ علوم آل محمد، قم، دار الکتاب، ۱۴۰۸، ھ، اول۔

52 ۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی، ج۱، ص۵۶-۵۸، مہدی مہریزی، ھادی ربانی، تہران؛ وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۷۸ شمسی، اول۔

53 ۔ زندگی نامہ علامہ مجلسی، سید مصلح الدین مہدوی، ج۱، ص۲۳۶، تہران، دبیر خانہ ہمایش بزرگداشت علامہ مجلسی، ۱۳۷۸ش، اول۔ الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص ۱۴-۱۵،

54 ۔ طرائق الحقائق، ج۱، ص۲۸۱، محمد معصوم شیرازی، تصحیح: محمد جعفر مجحوب، تہران، کتاب خانہ سنائی، ۱۳۱۶ھ۔

55 ۔ بحار الانوار، ج۱، ص ۲-۳، محمد باقر مجلسی، بیروت، مؤسسہ الوفاء، ۱۴۰۳ھ، دوم۔

56 ۔ گذشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۱۴؛

57 ۔ مرآۃ العقول، ج۲ص ۲۶۸، اسکے علاوہ رک: الاعتقادات، ص۵-۶، بحار الانوار، ج۱، ص ۱۰۳۔

58 ۔ الفوائد المدنیہ، ص۴۷؛ بحار الانوار، ج۸۶، ص۱۳۹-۱۴۷-۱۴۹؛ ج۸۲، ص۱۷، ج۳، ص ۲۳۴؛

59 ۔ روضات الجنات، ج۳، ص۲۷۱؛

60 ۔ رک؛ الفوائد المدنیہ، ص۴۷، الفوائد الطوسیہ، ص ۳۲۴-۳۲۵؛ مرآۃ العقول، ج۱، ص۲۰۰، ۱۰۰، الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص ۳۵، بحار الانوار، ج۸۵، ص۴۱، ج۸۶، ص ۲۲۲-۲۲۳۔

61 ۔ اعیان الشیعہ، ج۱۵، ص ۱۳۳-۱۳۴؛ سید محسن امین، تحقیق سید حسن امین، بیروت، دار التعارف، ۱۴۱۸ ھ، پنجم۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج۶، ص۴۸۶؛ روضات الجنات، ج۸، ص۱۵۹۔

62 ۔ رک؛ الذریعۃ، ج۳، ص۵۰، ش ۱۲۳؛ ریاض العلماء، ج۵، ص ۲۵۵، ۲۵۴۔

63۔الانوار النعمانیہ، ج ۳، ص ۱۳۳۔ سید نعمت اللہ جزائری، مقدمہ احمد علی قاضی طباطبائی، تبریز، بنی ہاشمی، ۱۳۸۲ھ۔

64 ۔ منبع الحیات، ج ۳، ص ۱۳۳، سید نعمت اللہ الجزائری، بیروت، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۱ھ۔ دوم

65 ۔ ان کے مزید نظریات کو جاننے کے لیے رک: الانوار النعمانیۃ، ج ۳، ص ۱۳۲؛ منبع الحیاۃ، ص ۲۵۔۲۶۔۴۴۔۴۹؛ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار، ج ۱، ص ۴۱؛

66 ۔ ریاض العلماء، ج ۵، ص ۲۵۴، مرزا عبد اللہ افندی اصفہانی، تحقیق: سید احمد حسینی، قم، مطبعہ الخیام، ۱۴۰۱ھ۔ الذریعۃ، ج ۲۲، ص ۳۸، ش ۴۲۴۷؛

67 ۔ امل الآمل، ج ۲، ص ۳۳۶؛ ریاض العلماء، ج ۵، ص ۲۵۶، ۲۵۳؛ الفوائد الرضویہ، ص ۶۹۴؛ شیخ عباس قمی، تہران، کتاب خانہ مرکزی، ۱۳۲۷، شمسی۔

68 ۔ لؤلؤۃ البحرین، تحقیق محمد صادق بحر العلوم، ص ۱۰۲؛

69 ۔ لؤلؤۃ البحرین، ص ۹۸؛

70 ۔ روضات الجنات، ج ۱، ص ۳۲ و ۱۲۷؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۶، ص ۴۵۲ و ۴۶۲؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۱۱؛ الذریعہ، ج ۱۱، ص ۲۱۰، ش ۱۲۵۹؛

71 ۔ روضات الجنات، ج ۸، ص ۲۰۳، ش ۷۵۰؛ لؤلؤۃ البحرین، ص ۹۸، ۴۴۲؛ دانش نامہ جہان اسلام، ج ۲، ص ۳۱۴؛ اعیان الشیعہ، ج ۱۵، ص ۲۷۳۔

72 ۔ روضات الجنات، ج ۸، ص ۲۰۳؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۱۱۔

73 ۔ تنقیح المقال فی علم الرجال، ج ۳ ص ۳۳۴، ش ۳۳۱۵؛ عبد اللہ مامقانی، تہران، جہان، ۱۳۵۱۔۱۳۵۲ھ۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۷، ص ۱۶۱؛ ادوار اجتہاد از دیدگاہ مذاہب اسلامی، ص ۳۴۱۔

74 ۔ دانش نامہ جہان اسلام، ج ۲، ص ۳۱۵، زیر نظر: سید مصطفیٰ میر سلیم و غلامعلی حداد عادل، تہران؛ بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی، ۱۳۷۵ شمسی، دوم۔

75 ۔ لؤلؤۃ البحرین، ص ۲۴۶، یوسف بحرانی، تحقیق، سید محمد صادق بحر العلوم، قم، مؤسسہ آل البیت، دوم۔

76 ۔ الحدائق الناضرۃ، ج ۱، ص ۲۷۔۱۲۵، و ۵۱۔۵۵۔

77 ۔ الدرر النجفیہ، ج ۲، ص ۲۴۷، یوسف بحرانی، بیروت، شرکت دار المصطفیٰ لاحیاء التراث، ۱۴۲۳ھ، اول۔

78 ۔ روضات الجنات، ج ۷، ص ۱۲۷۔

79 ۔ مکارم الآثار، ج۳، ص۹۳۰؛ مرزا محمد علی معلم حبیب آبادی، اصفہان، کمال، ۱۳۶۲ شمسی، دوم۔ قصص العلماء، ص۱۸۰۔ مرزا محمد تنکابنی، شیراز؛انتشارات علمیہ اسلامیہ؛ ۱۳۶۴ش، دوم۔

80 ۔ روضات الجنات، ج۲، ص۲۰۲، ش۱۷۴۔

81 ۔ قصص العلماء، ص۱۷۸۔۱۸۰؛دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸،دائرۃ المعارف تشیع، ج۲، ص۶۔۷، روضات الجنات، ج۲، ص۲۰۲، ش۱۷۴۔

82 ۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۳۸، ش۶۳۱؛ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج۱۳، ص۶۱۵؛

83 ۔ الذریعہ، ج۸، ص۲۷۶، ج۱۵، ص۱۲۹، ج۱۶، ص۳۴۴، ۳۳۶، ج۱۸، ص۳۷۰؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸؛

84 ۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸؛زیر نظر: کاظم موسوی بجنوردی، تہران، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۴، شمسی، دوم۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۲۷؛

85 ۔ مرزا اخباری کی کتب اور تالیفات کے بارے میں مزید جاننے کے لیے رک: روضات الجنات، ج۷، ص۱۲۷؛ مکارم الآثار، ج۳، ص۹۳۸۔۹۳۷۔۹۳۹؛دائرۃ المعارف الاسلامیہ لشیعیۃ، ج۲، ص۲۲۴؛الذریعۃ، ج۱۴، ص۲۲۱، ش۲۲۸۵، ج۶، ص۳۹۳، ش۲۴۴۱، ج۸، ص۲۶۳، ش۱۱۱۲؛ ج۱۷، ص۳۵، ش۱۹۵، ج۲، ص۳۸۹۔۳۹۰؛ج۱۷، ص۱۶۷، ش۹۷، ج۲۱، ص۲۰۷، ش۴۶۴۲؛ج۸، ص۲۶۷، ش۱۱۳۲، ج۱۵، ص۱۰۴، ش۶۹۔ ج۱۶، ص۶۰، ش۲۹۷۔